داستانِ حرم

از

ضیاء الحسن موسوی



ناشر

خراسان اسلامک ریسرچ سینٹر

خراسان اسکوائر، کراچی

عشرۂ محرم

داستانِ حرم

ضیاء الحسن موسوی

داستانِ حرم

مصنّف

سید ضیاء الحسن موسوی

ناشر

خراسان اسلامک ریسرچ سینٹر خراسان اسکوائر کراچی

اسد پرنٹنگ ایجنسی نے ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی سے
چھپوا کر شائع کیا۔

عرضِ مصنف

کچھ بقلم خود

میں چوتھی مرتبہ مریض قلب ہو کر بستر استراحت پر لیٹا ہوں۔ میرے محترم پروفیسر کرار حسین صاحب میرے استاد نہ ہونے کے باوجود اساتذہ سے زیادہ عظیم ہیں۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اپنے متعلق کچھ حقائق لکھوں! یہ دور تو وہ ہے جس میں ہر اہل قلم کو اپنے متعلق ہر اُس بات کے حقیقت ہونے کا یقین ہوتا ہے جس کا اس سے کا دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔ بہر حال مختصر یہ ہے کہ:-

۲۷ر شعبان سنہ ۱۳۴۰ھ کو میں اپنے نانا سرکار ناصر الملت اعلی اللہ مقامہ کے شرلیعکتدہ واقع نخاس جدید لکھنؤ میں پیدا ہوا میں سرکار مرحوم کی منجھلی صاحبزادی کا سب سے بڑا بیٹا ہوں۔ میرے والد مولوی سید نجم الحسن صاحب موسوی اس وقت حیدر آباد دکن میں ملازم تھے، وہ علامۂ کنتوری مولانا سید غلام حسنین صاحب اعلی اللہ مقامہ کے پوتے اور چھوٹے فرزند مولانا سید محمد علی موسوی کے فرزند تھے۔ میرا تاریخی نام جناب نولیس لکھنوی نے "ذوالفقار حیدر" رکھا اور حضرت یونس زید پوری نے اپنے قطعہ میں اس کو یوں نظم کیا ہے

اے ناصر دین دین کی نصرت کے لئے

پاس آپ کے ذوالفقار حیدر بھی ہے

میرے خاندان یعنی سادات کنتور جو موسوی سادات ہیں ان کے متعلق صوفیاء وارباب رجال نے لکھا ہے کہ یہ خاندان صحت نسب و سیادت میں مستند ہے

رہ گئے اس خاندان کے علمی اور افادی کارنامے توان کے لئے مجلدات کی ضرورت ہے علم و تحقیق ادب و شائستگی میں میرے بزرگ مثالی تھے۔ مفتی میر محمد قلی صاحب صدر الصدور میرٹھ۔ مولانا سراج حسین صاحب بانی ایم اے او کالج علیگڑھ ان کے فرزند جسٹس کرامت حسین صاحب بانی مسلم گرلز اسکول لکھنؤ' جنہوں نے عربی فیلالوجی کی پہلی کتاب "فقہ اللسان" لکھی ہے۔ مولانا اعجاز حسین صاحب مؤلف کشف الحجب والاستار۔ مولانا حامد حسین صاحب صاحب عبقات۔ مولانا ناصر حسین صاحب قبلہ صاحب اسباغ النائل وغیرہ۔ سرکار نصیر الملت قائد مجاذ حسینی سرکار سعید الملت مؤلف مسانید العصمت۔ برصغیر میں لفظ "علامہ" کے واحد مستحق علامہ کنتوری ان کے بڑے فرزند مولانا تصدق حسین بانی کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن مولانا محمد علی موسوی صاحب مؤلف موسوعۃ "ابطال غلامی اور اسلام"۔ مولانا ضامن کنتوری۔۔۔ غرض کتنے نام لکھوں ان کی کن کن تصانیف کا ذکر کروں اور اپنے عجز کا اعتراف کروں کہ اس خاندان میں جو "موروثی" طور پر صاحب علم نہ تھا بلکہ اس کے افراد نے اپنی سعی سے علم حاصل کیا خون جگر سے کتابیں لکھیں شہرت سے فرار کیا مگر ان کا نام سن کر مشرق و مغرب کے ارباب علم و تحقیق احتراماً کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آج ۱۹۷۸ء میں بھی اعاظم علماء ان کی تصانیف کی طباعت کے لئے خصوصی مطابع قائم کر رہے ہیں۔ اس خاندان سے میرا تعلق ہے مگر میں اس کا ایک نااہل فرد ہوں۔ اور اپنے خاندانی کتب خانۂ ناصریہ لکھنؤ سے دور افتادہ بھی۔

میں نے ابتدائی درسیات مولانا سعادت حسین صاحب قبلہ مدظلہ' اور مولانا صفی لکھنوی کے خالہ زاد بھائی مولانا حامد حسین صاحب مرحوم سے پڑھے۔ اس کے علاوہ مولانا سید ہادی صاحب قبلہ مرحوم مولانا سید ظہور الحسن صاحب قبلہ مرحوم مولانا سید علی زینبی

صاحب مرحوم مولانا غلام عباس صاحب ناصر زیدپوری مرحوم ڈاکٹر وحید مرزا صدر شعبۂ عربی لکھنؤ یونیورسٹی مولانا خواجہ ظفر حسن صاحب سہارنپوری مرحوم مولانا سید محمد نقی صاحب قبلہ نجفی مدظلہ، کے علاوہ اپنے گھر میں سرکار سعید الملت مرحوم سرکار نصیر الملت مرحوم اور خود سرکار ناصر الملت اعلی اللہ مقامہ سے مکمل درس نظامی کے علاوہ ادب و انشار و علم کلام کی کتابیں پڑھیں اور باوجودیکہ میں خاندان کا غالباً سب سے کم علم فرد ہوں مگر ۱۹۵۱ء سے اب تک حکومت پاکستان کو عربی ترجمانی عربی مجلہ کی ادارت اور تعلقات عامہ کے سلسلہ میں میرا جیسا نااہل بھی کوئی اور نہیں مل سکا ہے۔ یہ کوئی قابل فخر بات نہیں علم و ادب کی سطح گرنے کی بات ہے۔

میں نے بطور تفنن طبع ۱۹۳۹ء میں امتیاز کے ساتھ لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب بھی پاس کر لیا تھا مگر ۱۹۴۲ء سے جب میں محکمہ مذہبی امور حیدرآباد دکن میں میر عثمان علی خاں نظام دکن کے فرمان سے ملازم تھا کئی سال جامعۂ عثمانیہ کے عربی ایم۔اے کا ممتحن رہا۔ اس سے قبل نوعمری میں سند الافاضل اور صدر الافاضل جامعہ سلطانیہ کا بھی ممتحن رہا اور میرے شاگردوں میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اب بڑے عالم ہیں۔

اتحاد عالم اسلامی کے سلسلہ میں ۱۹۵۰ء سے اب تک میں پاکستان اور عربی ممالک میں ہونے والی کانفرنسوں کی تنظیم بھی کر چکا ہوں اور عربی اور فارسی اور اردو اور انگریزی کی ترجمانی بھی۔ اس سلسلہ میں عالم اسلام کے علمار و محققین اور سربراہان مملکت کی رفاقت کا شرف بھی حاصل ہے۔

۱۹۵۷ء میں علامہ شیخ محمد رضا مظفر اعلی اللہ مقامہ نے ایک خصوصی جلسہ میں

مجھے عراق کی عظیم علمی اکیڈمی "منتدی النشر" کا رفیق بھی منتخب کیا۔ عربی ممالک کی جامعات کے علاوہ ان کے اکثر ریڈیو اسٹیشنوں سے تقریریں کر چکا ہوں اور میرے مقالات عرب ممالک کے جرائد و مجلات میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔ پاکستان میں مجھے حلقۂ ارباب ذوق کی رکنیت اور انجمن مصنفین پاکستان کی بنیادی رکنیت کا شرف حاصل ہے۔ سنہ ۱۹۴۹ء میں پاکستان ہجرت کرنے سے پہلے میں حیدر آباد دکن میں انجمن ترقی پسند مصنفین کا بھی رکن تھا۔

میری شائع شدہ کتابوں میں حسب ذیل کتب میرے نام سے شائع ہوئی ہیں:۔

۱۔ قران اور اہلبیت (۱۹۷۶ء)

۲۔ الفرائد الثمینہ فی فوائد حدیث السفینہ (۱۹۴۵ء)

۳۔ دکن کی عبادت گاہیں (۱۹۴۴ء)

۴۔ کربلا کے متعلق نظموں کا ایک مجموعہ (سنہ ۱۳۶۱ھ)

۵۔ لال کتاب (عربی افسانوں کے تراجم) (سنہ ۱۹۵۲ء)

۶۔ شاعر الاسلام اقبال (سنہ ۱۹۵۸ء)

۷۔ باکستان (سنہ ۱۹۵۴ء)

۸۔ علی ابن الحسین (سنہ ۱۹۷۴ء)

۹۔ مشکلۃ کشمیر (۱۹۵۷ء)

۱۰۔ واقعہ کربلا کا معاشی پس منظر (سنہ ۱۹۷۲ء)

اور تقریباً ایک ہزار مقالات و مضامین شائع شدہ ہیں جن میں سے بعض کی اقساط جمع کر کے مستقل کتاب ہو جاتی ہیں۔ یہ اردو، عربی، فارسی اور انگریزی میں ہیں۔

میں متعدد ادبی جرائد و مجلات کا مدیر بھی رہا ہوں جن میں سب سے اہم ہفت روزہ زمانہ کراچی تھا (سنہ ۱۹۵۰-۵۱ء) جو ٹائم اور نیوز ویک کے انداز کا تھا۔ میں روزنامہ اسد لکھنؤ اور روزنامہ المنتظر کراچی کا نیوز ایڈیٹر بھی رہا ہوں اور روزنامہ حریت کراچی کی تشکیل و اشاعت میں بھی میری مساعی شامل ہیں۔

اس کتاب میں جو مقالات شامل ہیں وہ روزنامہ جنگ کراچی میں شائع ہو چکے ہیں اور احباب نے ان کو بہت پسند کیا تھا۔ میں سنہ ۱۹۵۱ء سے جنگ میں مضامین لکھ رہا ہوں اور غالباً اس کے مستقل مقالہ نگاروں میں مجھ سے زیادہ مضامین کسی نے نہیں لکھے ہیں نہ اتنے متنوع موضوعات پر کسی نے قلم اٹھایا ہے۔

سرکاری ملازمت میں قابل تذکرہ مصروفیتیں رہیں:

مہتمم اوقاف محکمہ امور مذہبی حیدرآباد دکن (سنہ ۱۹۴۲ء تا سنہ ۱۹۴۹ء)

افسر اطلاعات حکومت پاکستان (از سنہ ۱۹۵۴ء تا حال)

افسر نشر و اشاعت حج سعودی عرب (سنہ ۱۹۵۱ء)

پریس اطاشی سفارت پاکستان سعودی عرب (سنہ ۵۵ء تا سنہ ۵۷ء)

ڈپٹی جنرل منیجر تعلقات عامہ پی آئی ڈی سی (۱۹۶۶-۱۹۶۹ء)

ایڈیٹر پاکستان پکٹوریل عربی (۱۹۷۲-۱۹۷۸ء)

نگراں شعبۂ مشرق وسطیٰ وزارت اطلاعات

کنڈکٹنگ آفیسر کی حیثیت سے صدہا بین الاقوامی صحافیوں دانشوروں اور سربراہان مملکت کو میں نے پاکستان کی سیر کرائی ہے۔ میں مرحوم لیاقت علی خاں کے عہد سے اب تک حکومت پاکستان کے ذمہ داروں کا ترجمان رہا ہوں۔ اور

پاکستان کی قومی اور بین الاقوامی تاریخ میرے سینے میں محفوظ ہے۔

نظم میں عربی فارسی اور اردو غزل نظم اور مذہبی شاعری کا ایک ضخیم مجموعہ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ ہے۔ نثر میں "عربی ادب کے پچیس سال" جیسے مقالات بھی ہیں جو بذات خود ایک کتاب ہیں۔ کانفرنسوں اور سیمناروں کے مقالات بھی صدہا عربی افسانوں کے تراجم بھی ادبی اور تحقیقی مضامین بھی تاریخ اسلام پر بے شمار مقالات بھی جن کے شائع شدہ اور قلمی صفحات میری تین الماریوں میں بے ترتیب پڑے ہیں اس لئے کہ ان کی ترتیب و تنظیم کے لئے جس سرمائے کی ضرورت ہے وہ اتفاق سے ان لوگوں کے پاس ہے جو کاغذ کو فقط حساب کتاب یا پارسلوں میں باندھنے کے لئے مخصوص سمجھتے ہیں۔ میں نے تقریباً چالیس سال سے روزانہ دس سے پندرہ صفحات کے حساب سے جو حاصل مطالعہ و مشاہدہ قلم بند کیا ہے وہ میرا فرض تھا۔ اس کی ترتیب و اشاعت اس معاشرہ سے متعلق ہے جو چاہے تو ان کو نذر آتش کر دے یا مناسب سمجھے تو ان کو مستقبل کے لئے محفوظ کرلے۔ مجھ سے بہت عظیم اہل علم و فکر کے نتائج تباہ ہو گئے اور ارباب دولت کے ہفوات آبِ زر سے لکھے گئے۔ مگر آخری فیصلہ تاریخ نے کیا جو فیصلوں میں بڑی بے رحم اور غیر جانبدار رہی ہے۔

سامعہ خراش

سید ضیاء الحسن موسوی

۳ شعبان ۱۳۹۸ھ کارڈیو ویسکلر اسپتال کراچی

مسلمانوں کی تقویم شہادت عظمیٰ کی یاد سے شروع ہوتی ہے!

آج محرم کی پہلی تاریخ ہے!

آج سے ایک اور ہجری سال شروع ہو رہا ہے! مسلمانوں کی تقویم شہادت اور قربانی کی یاد سے شروع ہوتی ہے ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن (اقبالؔ)

دنیا میں لوگ سب سے زیادہ موت سے ڈرتے ہیں حالانکہ جو پیدا ہوا اس کے لئے مرنا ضروری ہے یہ اسلام کا انسانیت پر ایک عظیم احسان ہے کہ اس نے اپنے ماننے والوں کے دلوں سے یہ خوف فقط دور ہی نہیں کیا بلکہ موت کو ایک مقصد سے وابستہ کر کے اسے دلہن سے زیادہ مطلوب و محبوب بنا دیا اور یہ مقصد ہے "رضائے الٰہی" جو جس کو چاہتا ہے جس کی پرستش کرتا ہے اس کی رضا کے حصول کے لئے وہ اپنا سب کچھ نثار کرنے کو آمادہ رہتا ہے اسلام نے ہمیں یہ سکھایا کہ یہ حیات دنیا یہ زندگی ہماری نہیں اس کی ہے جو ہر چیز کا مالک حقیقی ہے اس لئے یہ ایک امانت ہے اور امانت داری شرط اسلام اور مقتضائے شرافت ہے اس نے ہمیں یہ بھی تعلیم دی کہ یہ دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنّت ہے۔ یعنی مومن کے لئے زندگی کی حقیقی لذّت دائمی اور ابدی

لذّت تصوّر آخرت سے وابستہ ہے۔

یہ کوئی تصوّراتی بات نہ تھی۔ آغاز عہد اسلام سے مسلمانوں نے اپنے عمل سے اس کا ثبوت دیا اور شوق شہادت کی وہ عملی مثالیں پیش کیں کہ موت کا خوف موت کے اشتیاق میں بدل گیا اور ظاہر ہے کہ جس فرد یا قوم کے دل سے یہ ڈر نکل جائے اس کا مقابلہ کون کر سکتا ہے۔

ماہ محرم الحرام ہمارے لئے فدویت۔ ایثار۔ جانبازی۔ استقامت اعلائے کلمۃ الحق اور قربانی کی وہ یادیں لے کر آتا ہے جن کی نظیر تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ ہجری سال تو ہم کو حضرت سیدالشہدا کی ہجرت الی اللہ کی یاد دلاتا ہے۔ ایک قافلہ جو ۲۸ رجب ۶۰ھ کو مدینہ منورہ سے نکلا تھا اور جو حج بیت اللہ کو عمرہ سے بدل کے اور حرمین شریفین کی حرمت برقرار رکھنے کے لئے اجتماع و وقوف عرفات سے صرف ایک دن پہلے یعنی ۸ ذی الحجہ کو مکہ معظمہ سے بھی آنکھوں میں آنسو اور دل میں محرومی حج کی کسک لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ اب اپنی آخری منزل سے قریب ہے۔ مرثیہ نگاروں نے اپنی شاعرانہ اور مصورانہ نگاہوں سے اس لمحہ کی کیا خوب تصویریں الفاظ کے دامن پر ابھاری ہیں جب نواسۂ رسول مقبولؐ اور ان کے گنے چنے ساتھیوں نے یہ چاند صحرائے عراق کی ایک منزل پر دیکھا ہوگا۔ ان مسافروں کو بخوبی علم تھا کہ وہ "منائے محبّت الہٰی" کی طرف بڑھ رہے ہیں اور ان کا ہر قدم شہادت گاہ سے ان کو قریب کر رہا ہے۔ ان کے لئے یہ چاند آخری سنگ میل ثابت ہوا اور ملت اسلامیہ کے لئے یہ چاند ہر سال ایک نیا سنگ میل بن کے آتا ہے کاش ہم بھی حق و صداقت کی وہی جرأت پیدا کر سکیں۔ کاش ہم بھی مفاد و بقائے ملّت کے

لئے ان قافلے والوں کی طرح ذاتی اور دنیاوی خواہشات کے میل کچیل سے اپنے دلوں کو پاک کر سکیں۔ کاش ہم بھی مذہب کو اپنی منفعت کا کاسئہ گدائی بنانے کے بجائے اپنی متاع حقیر اس کی راہ میں نذر کر سکیں۔ کاش ہم بھی اپنے قول وعمل کو ویسی ہی ہم آہنگی عطا کر سکیں کاش ہم بھی اپنی صفوں کو منظم اور اپنے مورچوں کو مستحکم کر سکیں۔ ہم نے اس مختصر سے قافلہ سے اتحاد واتفاق کا سبق نہیں سیکھا اور اس سے لاکھوں گنا تعداد ہونے کے باوجود ہر طرح کے خسارے اور پریشاں خیالی کا شکار ہیں ہم زبان سے اصلاح کی باتیں دہراتے ہیں۔ مگر ہمارا عمل ہماری ہنسی اڑاتا ہے۔

زبان سے اسلام کا دعویٰ اور عمل سے اس کی نفی.... اسی کے خلاف تو امام حسین علیہ السلام نے قیام فرمایا تھا۔

نیا ہجری سال ہمارا احتساب کر رہا ہے کہ کیا ہم اپنی شاندار تاریخ بھول گئے کیا ملّت مسلمہ فقط زبان سے محبت رسولؐ وآل رسولؐ وصحابۂ رسولؐ کی دعویدار ہے یا کچھ عمل کا بھی ارادہ ہے؟

نیا ہجری سال ہم سے ایثار وقربانی کی ایسی یاد منانے کا طالب ہے جس میں ہر اشک پرسوز ہو ہر آہ دل دوز ہو اور ہر تذکرہ سبق آموز ہو جس طرح مینارہ مسجد سے آنے والی صدائے تکبیر ہم سے پوچھتی ہے کہ کیا تم اس اقرار میں صادق ہو؟ اسی طرح اس تکبیر کو حیات نو بخشنے والی قربانئ شبیر کا تذکرہ بھی ہم سے پوچھتا ہے کہ کیا تم اس عظیم قوت اور بے نظیر محرک سے جنباں ہو رہے ہو یا نہیں؟ عملاً تم باطل سے قریب ہو یا حق سے؟

قرآن ہم سے فقط اقرار اسلام کا نہیں دلوں میں راسخ ہو جانے والے ایمان کا طالب ہے۔ اس کو یہ ناپسند ہے کہ ہم وہ بات زبان سے کہیں جس پر عامل نہ ہوں۔

کربلا کی یاد آنسوؤں اور آہوں سے دل کو نرم کرتی ہے۔ آیئے ہم اس کو پگھلا کے اس کی کثافت دور کریں اور اس پر ایمان و اخلاص کے وہ نقش جمائیں جو رضائے الٰہی کا تقاضا ہیں۔ امام حسینؑ اللہ اور رسول کے چہیتے ہیں۔ آیئے ان کے سہارے ہم شفیع المذنبین، اور رحمان و رحیم کی بارگاہ میں چلیں۔ اس سے اچھا "وسیلہ" اور کیا ہو سکتا ہے۔

ہجری سال تو ہم کو یہ بھی پیغام دیتا ہے کہ مسلمان اور مومن نہ باطل کی کثرت سے گھبراتا ہے نہ ابتلاء اور مصائب سے پریشان ہوتا ہے بلکہ صبر و ثبات و استقامت اور عمل پیہم سے وہ نئی صبح طلوع ہوتی ہے جس میں شہیدوں کے خون کی روشنی جھلکتی ہے۔ حسینؑ کی یاد ہم کو ایسی طاقت عطا کرتی ہے۔ جس کی بدولت ہم ہر کڑی راہ سے عزم و استقلال کے ساتھ گذر کے روشن مستقبل اور پائدار فتح کی منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔

سبطِ نبیؐ سے منزلِ مقصد قریب ہے

آج دوسری محرّم ہے

آج کی تاریخ یعنی ۲ محرم ۶۱ھ کو حسینی قافلہ سرزمین کربلا تک پہنچ گیا تھا۔ کربلا پہنچ کے امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔

"یہی ہماری منزل ہے۔ یہیں ہمارا خون بہے گا۔ یہیں ہماری قبریں بنیں گی۔ یہی وہ سرزمین ہے جس کی خبر میرے جد رسول اللہ مجھے دے چکے ہیں"۔

یہ اندازِ گفتگو نہ جذبات مشتعل کرنے کا ہے نہ دولت و اقتدار کے حصول کے لئے تشویق کا نہ دشمن سے انتقام کا۔ یہ ایک پُر از عزم قائد استقلال کی آواز ہے جو لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد ثم استقاموا کی منزل میں ہے اسے اپنے موقف کے حق ہونے کا یقین ہے اسے باطل سے کوئی خوف نہیں محسوس ہوتا۔ وہ اپنے ساتھیوں کو بھی اپنے عزمِ قربانی سے سرشار کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ یہ سمجھ لیں کہ یہ معرکہ وقتی نہیں ان کے اقدام کے صدیوں تک اثرات ہوں گے۔ پوری ملّت ساری امت اور سارا عالم اسلام ان کے اقدام سے حق گوئی اور اعلائے کلمۃ الحق کی جرأت حاصل کرے گا۔ امام علیہ السلام نے اپنے گھر والوں کو جمع کیا اور پہلے یہ دعا مانگی "یا اللہ ہم تیرے نبی کی عترت ہیں

ہم اپنے جد کے حرم میں پریشان کئے گئے اور ہم کو وہاں رہنے نہ دیا گیا ہم تعدی کا شکار ہوئے ہیں یا اللہ تو ہمارا حق ہم کو واپس دلا اور ظالموں پر ہم کو فتحیاب کر"
پھر اپنے ساتھیوں سے خطاب فرمایا۔ "بھائیو! لوگ دنیا کی غلامی میں مبتلا ہیں اور دین و مذہب فقط ان کے منہ کا ذائقہ بن کے رہ گیا ہے جب تک اس سے معیشت کے فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ اس سے وابستہ رہتے ہیں۔ مگر جب آزمائش کی گھڑی آتی ہے تو پھر دیندار بہت کم نظر آتے ہیں۔ ہم پر جو وقت پڑا ہے وہ تم دیکھ رہے ہو۔ دنیا رنگ بدل چکی اور ہم سے منہ موڑ چکی کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا ہے اور باطل سے لوگ پرہیز نہیں کر رہے ہیں ایک مومن ایسی حالت میں لقائے الہٰی کے علاوہ اور کیا تمنا کر سکتا ہے؟ میں تو موت کو سعادت اور خوش بختی اور ظالموں کے ساتھ زندگی کو عار اور بدبختی سمجھتا ہوں۔"

امام حسین علیہ السلام جن سے مخاطب تھے۔ وہ قابل وثوق اور اس مرحلہ قربانی کے لئے تربیت یافتہ اور توفیقات الہٰی سے بہرہ مند تھے چنانچہ آپ کے خاموش ہوتے ہی زہیر بن القین نے کھڑے ہو کر کہا۔ "یا ابن رسول اللہؐ ہم نے آپ کا ارشاد سنا۔ آپ یقین فرمائیں کہ اگر دنیا باقی رہنے والی ہوتی اور ہم اس میں ہمیشہ آباد اور شاد رہ سکتے تب بھی ہم اس میں رہنے پر آپ کے ساتھ قیام اور آپ پر فدا ہو جانے کو ترجیح دیتے۔" بُریر بن خُضیر نے کہا۔ "یا ابن رسول اللہؐ آپ ہمارے لئے نعمت الہٰی ہیں اس سے بہتر اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ ہم آپ کے سامنے جہاد کریں اور ہمارے اعضاء کاٹے جائیں اور پھر روز قیامت آپ کے جد ہماری شفاعت فرمائیں۔" اس کے بعد نافع بن ہلال بجلی نے کہا۔ "آپ کو

علم ہے کہ آپ کے جد رسول اللہؐ کے عہد میں بھی منافق تھے جو دعویٰ تو مدد کا کرتے تھے مگر دل میں غدّاری کی نیت رکھتے تھے، ملاقات کرتے تو شہد جیسے شیریں الفاظ منہ سے نکالتے مگر ان کے دلوں میں حنظل سے زیادہ تلخی تھی۔ آپ کے والد کے ساتھ بھی اہل نفاق نے ایسا ہی طرز عمل رکھا اور آج آپ بھی ہماری نظر میں اسی موقف میں ہیں مگر اے فرزند رسولؐ جو عہد شکنی کرتا ہے اور بیعت توڑتا ہے وہ اپنے آپ کو خود ہی نقصان پہنچاتا ہے اللہ اس سے مستغنی ہے۔ آپ ہمیں مشرق کی طرف لے جائیں یا مغرب کی طرف ہم قضا و قدر الٰہی سے خوفزدہ نہیں نہ لقائے الٰہی سے کترانے والے ہیں۔ ہماری نیتیں صاف ہیں اور ہم صاحب بصیرت ہیں آپ کا دوست ہمارا دوست اور آپ کا مخالف ہمارا مخالف ہے۔"

یہ ۱۰ محرم نہیں ۲ محرم ہے یعنی عاشور سے آٹھ دن پہلے۔ یہ فقط الفاظ اور زبانی دعوے نہ تھے۔ ان ایمان والوں نے جو کچھ کہا تھا اس سے زیادہ کر کے دکھایا۔ ان جانثاروں کے اقوال و اعمال اگر ہمارے سینوں کو گرماتے اور جوش و خروش کو متحرک کرتے ہیں تو ساتھ ہی ساتھ ہم سے سوال بھی کرتے ہیں کہ کیا ہم حق و صداقت کی راہ میں ان کے نقوش قدم پر چلنے کی سعی نہ کریں گے ؟ اگر یہ الفاظ، اگر یہ جرأت و استقامت ہمارے دل و دماغ میں جاگزیں ہو جائے تو یقیناً ہم تارسی کی سعی تو کر سکتے ہیں اپنے قول و عمل کی خلیج کو پاٹ نہیں سکتے تو کچھ کم تو کر سکتے ہیں۔ اور اس تذکرہ کا یہی تو حاصل ہے۔

اس کے بعد امام حسین علیہ السلام نے اس زمین کے زمینداروں کو بلایا۔ اور ساٹھ ہزار درہم میں اپنی قتل گاہ اور اس کی آس پاس کی زمین ان سے

خرید کے وقف عام کر دی اور ان سے یہ شرط فرمائی کہ وہ اس کے بدلے قبور شہداء کی نشان دہی کریں گے اور تین دن ان کو مہمان رکھیں گے۔ یہ زمین چار مربع میل تھی۔ آج یہ زمین عالم اسلام کے لاتعداد زائرین کی کشش کا مرکز ہے۔ بقول مولانا ظفر علی خاں مرحوم جس زمین پر لاش جگر گوشۂ بتول تڑپی ہو وہ ہر مسلمان کی محبت کا مرکز نہ ہو گی تو اور کیا ہو گی اس سر زمین پر ہمارا سلام جس کو خونِ شہیداں نے رشکِ فلک بنا دیا۔

(ماخوذ از طبری۔ عقد الفرید۔ ابن عساکر۔ حلیۃ الاولیاء۔ کشکول بہائی وغیرہ)

کیا غازیانِ فوجِ خدا نام کر گئے

آج ۳ محرم ہے

آج ۳ محرم ہے اور آج بالعموم مجالس میں انصار امام حسین علیہ السلام میں سے چند کا تفصیلی تذکرہ ہوتا ہے۔ یہ تو پتہ نہیں چلتا کہ کب سے یہ تاریخ وار تذکرہ مصائب کا سلسلہ شروع ہوا مگر یہ بات بڑی سمجھ بوجھ کی ہے کہ عشرۂ محرم کے دس دنوں کو اس طرح تقسیم کیا جائے کہ امام ہمام اور آپ کے غلام، انصار، اقربا و اعزا غرضکہ (۷۲) شہدا میں سے سب کی نمائندگی ہو جائے اور جستہ جستہ اہم تاریخی واقعات اور حرارت آمیز تاریخی حوادث نئی اور پرانی نسلوں کے کانوں میں پڑتے رہیں یوں تو ہر واعظ و عالم مقرر و خطیب کا اپنا خاص انداز ہوتا ہے مگر عشرۂ محرم کی مجالس میں یہ سب گویا تاریخ کے مدرس ہو جاتے ہیں اور حتی الامکان کتابوں کے حوالوں کے ساتھ واقعات کا تذکرہ ان کی تقریر کی خصوصیت ہوتا ہے۔ "شہادت نامے" بیان کرنے والے علماء اور مقررین بھی اسی جادے پر گامزن ہیں۔ اللہ ان کی توفیقات میں اضافہ کرے۔

اصحابِ رسول اکرم و اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے تین صحابی یعنی حضرت انس بن حرث کاہلی حضرت حبیب ابن مظاہر اسدی اور حضرت مسلم بن عوسجہ الاسدی رضوان اللہ علیہم کربلا میں شہید ہوئے اور دو یعنی حضرت ہانی بن عُروہ اور

حضرت عبد اللہ بن یقطُر حمیری رضوان اللہ علیہم حمایت امام حسین میں آپ کے برادر عم اور سفیر یعنی حضرت مُسلم بن عقیل کے ساتھ کوفہ میں شہید ہوئے۔

حضرت انس بن حرث شرف صحابیت کے علاوہ روایت حدیث کا شرف بھی رکھتے ہیں۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں اور علامہ جزری نے اسد الغابہ میں آپ کی سماعت اور نقل کردہ یہ حدیث درج کی ہے کہ "میں نے حضور کی زبان سے سُنا کہ یہ میرا بچہ حسین جو میری گود میں ہے زمین عراق پر شہید کیا جائے گا جو اس وقت حاضر ہو اُس کو اس کی مدد کرنا چاہیئے۔" یہی وجہ تھی کہ باوجود کبیر السن ہونے کے حضرت انس راتوں کو چھُپ کر کوفے سے نکلے اور کربلا پہنچ کے خدمت امام مظلوم میں حاضر ہوئے۔ جہاد کرتے ہوئے آپ یہ رجز پڑھ رہے تھے "کاہل اور دودان اور خندقی اور قیس وغیلان سارے قبائل خوب جانتے ہیں کہ میں وقت جنگ دشمنوں کے لئے آفت ہوں۔"

حضرت حبیب بن مظاہر صحابی رسول ہونے کے علاوہ باب مدینۃ العلم حضرت علی کے شاگرد بھی تھے اور ہر جنگ میں آپ کے آزمودہ کار سپاہی بھی مورخ طبری نے لکھا ہے کہ روز عاشورہ۔ جب امام حسینؑ نے اپنے لشکر کو مرتب کیا تو حبیب کو بائیں پہلو کے دستے کا سردار مقرر کیا تھا اور زہیر قین کو میمنے کی سرداری عطا فرمائی تھی۔ جب مسلم بن عوسجہ زخمی ہو کر میدان میں گرے اور امام حسینؑ ان کے پاس تشریف لائے تو حبیب بھی ہمراہ تھے۔ حبیب نے مسلم سے کہا کہ تمہاری جُدائی دل پر بہت شاق ہے مگر مبارک ہو کہ تم کو جنت ملنے ہی والی ہے۔ مسلم نے نحیف آواز میں کہا میرے دوست حبیب خدا تمہیں بھی جلد جنت عطا فرمائے! پھر حبیب

نے کہا بھائی مسلم اگر مجھے گمان ہوتا کہ تمہارے بعد مجھے کچھ دن زندہ رہنا ہے تو تم سے کہتا کہ تم جو بھی وصیت کرو گے میں اس کو پورا کرنے کی سعی کروں گا۔ مسلم نے جواب دیا حبیب خدا تم پر رحمت نازل کرے میری وصیت فقط یہ ہیں۔ اور دونوں زخمی ہاتھوں سے امام حسینؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ حبیب تم بھی اپنی جان فرزند رسولؐ پر قربان کرنا۔ حبیب نے کہا تم اطمینان سے جنّت کا سفر کرو اور یقین رکھو کہ ایسا ہی ہو گا۔

جنگ کے دوران جب امام حسین علیہ السلام نے دشمنوں سے نماز ظہر کی مہلت طلب کی اور حصین بن نُمیر نے جواب میں یہ گستاخی کی کہ آپ کی نماز قبول نہ ہوگی تو حبیب ابن مظاہر نے بے چین ہو کر کہا کہ اے بدبخت تجھ شراب خوار اور شراب خوار کا اتباع کرنے والے کی نماز قبول ہو اور رسول اطہرؐ کے نواسے کی نماز قبول نہ ہو۔ یہ سُن کر ابن نمیرُ نے حبیب پر حملہ کیا۔ حبیب نے جوابی وار کیا اس کا گھوڑا زخمی ہو کر الف ہو گیا اور وہ گر پڑا۔ حبیب نے امام حسینؑ سے کہا کہ اب مجھے اجازت جہاد مرحمت ہو۔ میں اب نماز آپ کے جد کے ہمراہ جنّت میں ادا کروں گا۔ ابن نُمیر کو لشکر یزید والے اٹھالے گئے تھے، حبیب شیر غضب ناک کی طرح اس کو ڈھونڈتے پھرتے تھے اور ہر صف پر حملہ آور ہو کے یہ رجز پڑھتے تھے۔

"میں حبیب ہوں، میرا باپ مُظہّر تھا۔ میں جنگ کا شیر اور مقابلہ کا مرد ہوں، تم تعداد میں کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ ہم وفا اور صبر و استقلال میں برتر ہیں۔ ہم حق پر ہیں، ہم حجّت اور دلیل تقویٰ اور ایمان والے ہیں۔"

حبیب دیر تک لڑتے رہے تا آنکہ بُدیل بن صریم عقفانی نے ان کو تلوار سے

اور ایک مرد بنی تمیم نے نیزے سے ان کو زخمی کیا اور وہ زمین پر گرے اور دشمنوں نے ان کا سر کاٹ لیا۔ اس کے بعد دشمنوں میں آپس میں لڑائی ہوتی کئی آدمی بیک وقت حبیب کے قتل کے مدعی تھے۔ کوئی ان کے سر کو فوج میں گشت کر کے فخر کرنا چاہتا تھا۔ کوئی اس کے ذریعے ابن زیاد سے انعام کا خواہاں تھا۔ حبیب کی شہادت کے بعد امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔

"اے حبیب میں تمہارا اور اپنے مددگاروں کا عوض خدا سے چاہتا ہوں"

حضرت مسلم بن عوسجہ اسدی' بڑے شریف اور عابد و زاہد صحابی رسولؐ تھے۔ بقول ابن سعد صاحب طبقات اکثر اسلامی معرکوں میں ان کے کارناموں کا تذکرہ ملتا ہے۔ یہ ان لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے امام حسینؑ کو کوفے آنے کی دعوت دی تھی۔ جب ابن زیاد کوفہ پہنچا تو یہ مذحج کے چاروں قبائل تمیم و ہمدان و کندہ و ربیعہ اور اہل مدینہ کے ہمراہ باہر نکلے اور ابن زیاد کا محاصرہ کر لیا۔ ابن زیاد نے مکر و فریب اور دولت کی تقسیم سے کام لے کر سب کو متفرق کر دیا تو وہ روپوش ہو گئے۔ ابن زیاد نے اپنے غلام معقل کو ہزاروں کی لالچ دے کر ان کا پتہ چلانے کا حکم دیا اور ان کے ذریعے حضرت مسلم ابن عقیل کو تلاش کرنے کا حکم دیا۔ معقل نے محب اہلبیتؑ بن کے حضرت مسلم بن عقیل کا پتہ چلا لیا اور ابن زیاد کو خبر کر دی۔ حضرت مسلم ابن عوسجہ روپوش رہے اور اپنے عیال کے ساتھ کربلا میں خدمتِ امام مظلوم میں پہنچے جب امام حسین علیہ السلام نے سب کو واپس چلے جانے کی اجازت دی اور مشہور تقریر فرمائی تو انصار کی طرف سے یہی مسلم بن عوسجہ کھڑے ہوئے تھے

اور عرض کیا تھا کہ :۔

"اے فرزندِ رسولؐ اگر ہم آپ کا ساتھ چھوڑ دیں تو پھر خدا کے سامنے کیا عذر پیش کریں گے۔ ہم آپ سے اس وقت تک جُدا نہ ہوں گے جب تک ہم ان نیزوں کو جو ہمارے ہاتھ میں ہیں آپ کے دشمنوں کے سینے میں نہ اتار دیں۔ جب تک ہمارے پاس ہتھیار رہیں ہم آپ کے دشمنوں سے لڑیں گے اور جب اسلحہ نہ رہیں گے تو ہم پتھروں سے لڑیں گے اور آپ کے سامنے مر کے دنیا سے جائیں گے۔"

ابو مخنف نے اپنے مقتل میں لکھا ہے کہ روزِ عاشور مسلم بن عوسجہ نے ایسی جنگ کی جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ جب وہ زخموں سے چُور ہو کر گھوڑے سے زمین پر گرے تو امام حسین علیہ السلام ان کے قریب پہنچے اور فرمایا کہ اے مسلم تم پر خدا اپنی رحمت نازل کرے اور پھر آیۂ منھم من قضیٰ نحبہ ومنھم من ینتظر کی تلاوت فرمائی۔

نجم آفندی نے کیا خوب کہا ہے ؎

عالم میں بے مثال ہے یہ کربلا کی جنگ
یکساں وغا کی بندہ و آقا کو تھی امنگ
کچھ سن کا امتیاز نہ تفریق نسل و رنگ
حق کی صلائے عام تھی میدان تھا نہ تنگ

ہر باوفا حسینؑ کے قدموں پہ سو گیا
آقا کا خوں غلام کا خوں ایک ہو گیا

نظمِ جہاں بدلنے کا عنواں مرحبا
اسلام کی نجات کا ساماں مرحبا
ان ان صداقتوں کا نگہباں مرحبا
بندہ خدا کی راہ میں بے جان مرحبا

اپنے اصول چھوڑ گئے غور کے لئے
ان کا پیام ایک ہے ہر دور کے لئے

جن پہ آقا ناز فرمائیں

غلام ایسے تو ہوں

آج ۱۹ محرم ہے

یادگار شہادت عظمیٰ کے سلسلہ میں تاریخ کی ورق گردانی عجب منظر دکھاتی ہے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ کربلا میں بندرہ غلام امام حسین علیہ السلام کی رفاقت میں شہید ہوئے۔ نصر و سعد حضرت علی کے غلام۔ منتج اسلم اور قارب حسینؑ کے غلام۔ حرث حضرت حمزہ کے غلام۔ جون حضرت ابوذر کے غلام۔ رافع مسلم ازدی کے غلام۔ سعد عمر صیداوی کے غلام۔ سالم بنی مدینہ کے غلام۔ عامر عبدی اور عابس حارث جابری اور واضح کے چند غلام۔

اسلام پر غلامی کے سلسلہ میں نافہم مستشرقین نے بڑے اعتراضات کئے ہیں مگر یہ عصبیت اور دشمنی کا نتیجہ تھا۔ درحقیقت غلام اور کنیزیں بتلیغ اسلام کی حریت کے خلاف وہ حملہ آور فوجیں اور ان کی عورتیں تھیں جو شکست کھانے کے بعد قید ہوتیں۔ اسلام نے ان کے ساتھ ایسا سلوک واجب قرار دیا جو عین مقتضائے انسانیت تھا۔ اور اس سلسلہ میں غلاموں اور کنیزوں کے منصفانہ حقوق مقرر کرے اور ان کو آزاد کرنے کی ترغیب وتحریص دلائی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غلاموں سے غیر انسانی سلوک ختم ہوا پھر وہ سماج کے ذمہ دار رکن بنے غلامی کا پرانا تصور بدل

گیا ان سے رشتہ داریاں قائم ہوئیں اور وہ ہنرمند، مصنف اور سپاہی بن کے معاشرہ میں جذب ہو گئے، اور لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰہ اور اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے عملی تصوّرات نے بہت جلد غلامی کے خلاف ایک تحریک کی شکل اختیار کرلی۔ رسول و آلِ رسول اور خیار صحابہ نے اس سلسلہ میں وہ انسانیت نواز عمل پیش کیا ہے جو اپنا آپ جواب ہے، حضرت بلال حبشی کو بڑے بڑے سرداران قریش پر عملی برتری حاصل تھی حضرت علی کے غلام قنبر اور ابورافع کو آپ کے نائبین کا درجہ حاصل تھا۔ امام زین العابدین کا لقب ہی محرّرالعبید ہو گیا تھا۔ یعنی آپ پہلی منظم تحریک آزادی کے قائد تھے، خود بھی خرید خرید کے غلام آزاد کرتے اور دوسروں کو بھی اس کی تبلیغ فرماتے اب ذرا کربلا میں شہید ہونے والوں پر نظر ڈالئے۔

جونؔ حضرت ابوذر کے غلام تھے۔ ابوذر وہ مرد قلندر تھے جن سے مساواتِ محمدیؐ کے تصوّرات دنیا میں پھیلے وہ بھلا غلام سے خدمت کیا لیتے مگر جونؔ کو ان سے نسبت اتنی پسند تھی کہ زندگی بھر ان کے ساتھ رہے اور پھر آلِ محمدؐ کی خدمت میں آگئے جن سے حضرت ابوذر کو خاص لگاؤ تھا۔ جونؔ مدینہ منورہ سے امام حسینؑ کے ہمراہ کربلا آئے۔ علامہ سید رضی داؤدی نے لکھا ہے کہ جب عاشور کو جونؔ نے جہاد کی اجازت طلب کی تو امام حسینؑ نے فرمایا، تم کو اجازت تو ہے مگر تم ہمارے پاس اس غرض سے رہے تھے کہ آرام سے بسر کرو۔ مگر اب تم قتل ہونے کے خواہاں ہو؟ جونؔ قدموں سے لپٹ کر عرض کرنے لگے۔ جونؔ ان میں سے نہیں جو آرام کے وقت کاسہ لیسی کرتے ہیں اور مصیبت میں ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ میرا پسینہ بودار ہے میرا رنگ سیاہ ہے میرا حسب قابل فخر نہیں مگر میں اس وقت تک آپ سے جدا نہیں

ہوں گا۔ جب تک یہ سیاہ خون آپ کے سفید اور نورانی خون میں نہ مل جائے۔ امام حسین علیہ السلام نے گلے لگا کر جونؑ کو رخصت کیا وہ جنگ کرتے ہوئے یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

"تم نے ایک حبشی غلام کی لڑائی دیکھی کہ وہ حمایت آلِ رسولؐ میں کیسے شیرانہ حملے کر رہا ہے۔"

جونؑ کی لاش پر امام حسینؑ نے یہ دعا فرمائی، یا اللہ جون کا چہرہ نورانی کر دے ان کے پسینے کو خوشبودار کر دے۔ ان کو نیک بندوں کے ساتھ محشور فرما وہ آلِ محمدؐ کے ہمراہ رہیں۔" امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب بنی اسد دفن کی غرض سے جون کی لاش پر پہنچے تو اس سے مُشک جیسی خوشبو آ رہی تھی۔

اسلم امام حسین علیہ السلام کے غلام تھے ان کے باپ ترکی تھے اور یہ مکاتب تھے۔ لڑتے ہوئے وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

"میرے سردار حسینؑ ہیں اور ان سے بہتر کون آقا ہو سکتا ہے اس لئے کہ وہ بشیر و نذیر کے دل کا سُرور ہیں۔"

جب اسلم لڑتے لڑتے زخمی ہو کر گرے تو امام حسینؑ ان کے سرھانے پہنچے اسلم میں ابھی جان باقی تھی۔ انہوں نے کچھ اشارا کیا امام حسینؑ آگے بڑھے اور اسلم کو گلے لگایا اور اپنا رخسار اسلم کے رخسار پر رکھ دیا۔ اسلم نے مسکرا کے امام کے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور کہا کہ کون میری برابری کر سکتا ہے میری گردن میں نواسۂ رسولؐ کی باہیں ہیں اور ان کا رخسار میرے رخسار پر رکھا ہوا ہے۔ یہ کہہ کے

اسلم اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

علامہ شیخ طاہر سماوی نے ابصار العین میں لکھا ہے کہ نو ۹ شہید ایسے ہیں جن کی ماؤں نے اپنی آنکھوں سے ان کو شہید ہوتے دیکھا۔

علی اصغر شیر خوار جن کو امام علیہ السلام پانی طلب کرنے میدان میں لے گئے تھے اور فرمایا تھا کہ اگر تمہاری نظر میں حسین قصور دار ہے تو یہ بچہ تو دنیا کے کسی مذہب و مشرب کے لحاظ سے قصور وار نہیں ہو سکتا۔ یہ پیاس سے جاں بلب ہے کم از کم اسی کو تم اپنے ہاتھ سے پانی پلا دو۔ ظاہر ہے کہ اکثر صاحبان اولاد میں ہلچل مچ گئی۔ عمر سعد کے حکم سے حرملہ بن کاہل ازدی نے ایک تیر مارا جس سے بچہ باپ کے ہاتھوں پر الٹ کے رہ گیا۔ علی اصغر کی والدہ حضرت رباب خیمہ کے دروازے سے یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ مورخین نے لکھا ہے کہ رباب عمر بھر سائے میں نہیں بیٹھیں اور سوگواری میں زندگی گزار دی۔ جب قید سے چھوٹنے کے بعد مدینہ گئیں اور لوگوں نے ان کے حسب نسب اور شرافت کے پیش نظر نکاح کا پیام دیا تو حضرت رباب نے جواب دیا رحمۃ اللعٰلمین کی بہو بننے کے بعد اب میں کسی اور کی بہو بننا پسند نہیں کرتی۔

عون بن عبداللہ بن جعفر طیار کی والدہ زینب بنت علی مرتضیٰ ؑ نے بھی درِ خیمہ سے اپنے فرزند کو جنگ کرکے زخمی اور شہید ہوتے دیکھا۔

قاسم بن الحسن ؑ بن علی ؑ کی والدہ رملہ نے یادگار حسن مجتبیٰ ؑ کو شہید ہوتے اور آپ کی لاش پامال ہوتے دیکھی۔ امام حسن ؑ کے ایک اور کم عمر صاحبزادے عبداللہ جو امام حسین ؑ کے زخمی ہو کے زمین پر تشریف لانے کے بعد گھر سے نکلے تھے اور اپنے

چچا پر حملہ کرنے والے ایک شقی کی تلوار کو اپنے ہاتھوں پر روک کے ہاتھ کٹوا چکے تھے اور پھر ایک شقی نے آپ کو شہید کیا تھا یہ منظر ان کی والدہ بنت شلیل بجلی نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

عبداللہ بن مسلم کی شہادت کا منظر ان کی والدہ رقیہ بنت علی ابن ابی طالب نے در خیمہ سے دیکھا۔

محمد بن سعید بن عقیل نہایت کمسن تھے بعد شہادت امام وہ چوب خیمہ ہاتھ میں لے کے میدان میں نکل گئے۔ کانوں میں گوشوار ہلتے جاتے تھے۔ ان کی والدہ نے اس کمسن شہید کی شہادت کا منظر بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

عمرو بن جنادہ اور عبداللہ کلبی ان دونوں جوانان انصار کی مائیں در خیمہ سے ان کو شجاعت دلا رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ جب تک وہ شہید نہ ہوں گے ہم دودھ نہیں بخشیں گے۔ آخر انہوں نے دونوں کو اس منزل بلند پر فائز ہوتے بچشم خود دیکھ لیا۔

آخری شہید یا پہلے شہید حضرت علی اکبر جو شبیہ رسول مقبول تھے۔ ان کی والدہ جناب ام لیلیٰ نے بھی جو در خیمہ پر کھڑی اللہ سے دعا کر رہی تھیں وہ منظر دیکھا جو شاید ہی کسی ماں نے دیکھا ہو۔ علی اکبر کی شہادت فقط ایک نوجوان فرزند کی شہادت ہی نہ تھی . . . . تصویر رسولؐ مٹی میں مل رہی تھی۔ وہی رسولؐ جن کی تعلیمات اور محنتوں کے تحفظ کے لئے یہ قربانیاں پیش ہو رہی تھیں۔ اللہ اللہ کیا کسی اور قوم کی تاریخ میں ایسی مثالیں ملنا ممکن ہیں؟ کیا ابتلاء و امتحان سے گزرنے کے لئے اس سے زیادہ بڑے سہارے حاصل

ہونا ممکن ہیں؟ پھر یہ واقعات فقط محرم تک کیوں محدود ہیں؟ ہمارے نصاب تاریخ کے صفحات ان سے کیوں خالی ہیں؟ شاید ہماری موجودہ بے صبری اور افراتفری کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہم اپنی تاریخ اور اپنے ماضی کی عظمتوں سے بیگانہ ہیں۔ میں تو کبھی کبھی یہ سوچتا ہوں کہ جو قومیں ماضی کے ورثوں سے محروم ہیں اور اس خلا کو فرضی داستانوں سے پُر کرنا چاہتی ہیں۔ ان کا تخیل و تصوّر بھی تو ہماری تاریخی اور سچّی مثالوں سے زیادہ بہتر افسانے فرض نہیں کر سکتا۔

"اُن کے دل آپ کے ساتھ اور تلواریں دشمن کے ساتھ ھیں"

آج محرم کی پانچویں تاریخ ہے

کربلا کے تذکرہ میں حضرت مسلم بن عقیل کا تذکرہ ضروری ہے مسلم نے تاریخ کے دامن پر مردانگی شجاعت اور اسلامی کردار کے لازوال نقوش ثبت کئے ہیں جب امام حسین علیہ السلام کے پاس اہل کوفہ کے بے شمار خطوط آئے تو آپ نے قیام مکہ معظمہ کے زمانے میں اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو روانہ کرتے ہوئے اہل کوفہ کو لکھا کہ اگر تم واقعی اپنے دعوے میں سچے ثابت ہوئے اور مسلم نے مجھے اس سے مطلع کیا تو میں کوفے آکے تمہاری رہنمائی کا فرض انجام دوں گا چنانچہ ہزارہا اہل کوفہ نے مسلم بن عقیل کے گرد جمع ہو کے مظالم یزید کی شکایت کی اور امام حسینؑ کی رہنمائی کی تشنگی ظاہر کی۔ یہ اطلاع ملنے کے بعد امام حسینؑ مکہ سے روانہ ہوئے۔ مکہ سے دوسری ہی منزل صفاح پر مشہور شاعر فرزدق سے ملاقات ہوئی۔ امام حسینؑ نے فرزدق سے لوگوں کا حال دریافت کیا تو فرزدق نے عرض کی "دل آپ کے ساتھ اور تلواریں دشمن کے ساتھ ہیں" فرزدق کا یہ قول نفسیات اجتماع میں ان کی مہارت کی دلیل ہے ہمیشہ یہی ہوا ہے کہ حق کا عملی ساتھ دینے والے کم تعداد رہے اور جمہور کی اکثریت حق و صداقت کو پسند کرنے اور ظلم و ناانصافی سے نفرت

کرنے کے باوجود آمروں، بادشاہوں اور جابروں کے خوف سے لرزتی رہی اور دنیاوی منافع کی لالچ میں کمزوری کا شکار اور عملاً ظالموں کی صف میں یا حق و باطل کے درمیان "غیر جانبدار" بننے کی کوشش کرتی رہی۔ یہی وہ مداہنت اور اخلاقی کمزوری ہے جس سے حق اکثر مظلوم رہا اور عوام ظلم کی چکی میں پستے رہے۔ امام حسینؑ ان حقائق سے آگاہ تھے۔ آپ نے فرزدق کے جواب میں فرمایا۔ تم سچ کہتے ہو۔ ہم قضائے الٰہی پر شاکر ہیں اگر وہ ہماری خواہش کے مطابق ہو تو ہم نعمت سمجھ کر اس پر شکر کرتے ہیں اور اگر قضائے الٰہی ہمارے عزائم میں حائل ہو جائے تو حق پسند اور اہل تقویٰ اس سے گریز نہیں کرتے اور ہر حال میں راضی رہتے ہیں۔

مسلم بن عقیل کوفے پہنچے اور مظلوم عوام کی قیادت کا مرکز بن گئے مگر بہت جلد لوگ ان کو چھوڑ گئے اس لئے کہ وہ اسلام کے بتائے ہوئے صاف اور سیدھے راستے پر چل رہے تھے اور یزیدی حکومت کے عمال ہر اس تدبیر سے کام لے رہے تھے جس سے کامیابی حاصل ہو سکتی۔ خواہ وہ درست ہو یا نادرست گویا یہ اصول اور بے اصولی کی جنگ تھی۔ مثلاً جب کوفے کے احوال معلوم کر کے یزید نے نعمان بن بشیر کی جگہ حاکم بصرہ ابن زیاد کو کوفہ کی حکومت بھی حوالے کر دی تو وہ کوفہ میں بھیس بدل کے اس طرح داخل ہوا کہ عام لوگ یہ سمجھے کہ امام حسینؑ آ رہے ہیں اور ہر طرف سے مرحبا بابن رسول اللہؐ کی صدائیں بلند ہوئیں مگر دارالامرہ پہنچ کے اس نے اپنی شخصیت ظاہر کی تو اس کے جابرانہ طرزِ عمل کی یاد نے لوگوں میں

خوف کی لہر دوڑا دی اور آخر کار اس نے قبائلی اختلافات اشرفیوں کے توڑوں، تلوار کی تیزی اور عہدوں کی تقسیم غرض ہر چال چل کے صورت حال کا نقشہ بدل دیا۔ دوسری طرف مسلم بن عقیل کی راست بازی کا یہ حال تھا کہ وہ جب حضرت ہانی بن عروہ کے گھر میں روپوش تھے اور وہاں مقیم ایک سردار قبیلہ شریک بن عبداللہ اعور کی عیادت کے لئے ابن زیاد گیا تو شریک نے اس کی آمد سے قبل مسلم بن عقیل سے کہا کہ جب ابن زیاد آئے گا تو مناسب موقع پر میں آپ کو اشارہ کردوں گا۔ آپ برابر کے کمرے سے داخل ہو کر اس کا کام تمام کردیجئے گا۔ پھر حالات ہمارے قابو میں آجائیں گے چنانچہ ابن زیاد آیا اور شریک نے بار بار زمین پر اپنا عمامہ پٹک کر حضرت مسلم کو اشارہ کیا اس کے باوجود وہ داخل نہ ہوئے تو شریک نے چند شعر پڑھے اور کہا کہ اس کو وہ جام پلاؤ کہ خواہ اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔" مگر حضرت مسلم نہ اندر آئے اور نہ ابن زیاد کا کام تمام کیا۔ ابن زیاد کو شبہ ہوا مگر ہانی نے کہا کہ وہ بیماری میں نہ معلوم کیسی باتیں کرنے لگے ہیں۔

ابن زیاد کے جانے کے بعد شریک نے حضرت مسلم سے پوچھا کہ آپ نے اتنا اچھا موقع کیوں کھو دیا تو حضرت مسلم نے کہا کہ حضرت علی سے آنحضرت کی ایک حدیث سنی تھی کہ ایمان ایک ایسی ہتھکڑی ہے کہ جو مومن کو دھوکے سے کسی کو قتل کرنے سے روکتی ہے اور مومن کبھی کسی پر کمین گاہ سے حملہ آور نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ کہ میں ہانی بن عروہ کے گھر میں پناہ گیر ہوں مجھے اندازہ

ہوا کہ اس کے عیال یہ پسند نہیں کرتے کہ ان کے گھر میں خوں ریزی ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ دو بالکل مختلف کردار تھے جن کو علامہ اقبال نے اپنے الفاظ میں یوں ادا کیا ہے کہ ؎

حقیقت ابدی ہے مقام شبیری
بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی

مسلم ابن عقیل امام حسینؑ کے سفیر و نائب تھے انہوں نے وہی طرز عمل اختیار کیا جو "حسینؑ پسند" تھا، جو سیرت و سنّتِ رسولؐ کا تقاضا تھا۔ چند روز کے بعد وہی کوفہ جس میں مسلم زندہ باد کے نعرے گونجتے تھے۔ اب وہ اس کے گلی کوچوں میں اجنبی تھے۔ ایک عورت جس کا نام طوعہ تھا اس نے ایک رات ان کو گھر میں پناہ دی تھی مگر طوعہ کا بیٹا ابن زیاد کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دن بھر ان کی تلاش میں مارا مارا پھرا تھا۔ جب اس کو اپنی ماں سے یہ معلوم ہوا تو اس وقت تو وہ خاموش رہا اس لئے کہ اپنی ماں سے رازداری کی قسم کھا چکا تھا مگر صبح ہوتے ہی اس نے ابن زیاد کو خبر کر دی۔ ابن زیاد نے ستّر سپاہیوں کے ساتھ ابن الاشعث کو حضرت مسلم کی گرفتاری کے لئے بھیجا۔ نماز صبح ختم کر کے مسلم دعا میں مشغول تھے کہ گرفتار کرنے والے آ گئے۔ حضرت مسلم نے طوعہ کو دعائے خیر دی اور تلوار کھینچ کے باہر نکلے اور ان میں سے اکتالیس آدمیوں کو قتل کر دیا۔ ابن الاشعث نے ابن زیادہ سے کمک طلب کی۔ اس نے مزید فوج بھیجی اور کہلا بھیجا کہ تیرے مقابل کیا کوئی فوج ہے؟ ابن الاشعث نے جواب دیا کہ ابن زیاد سے جا کر

کہہ دو کہ اس نے مجھے کوفہ کے کسی بنئے بقال کے مقابلے میں نہیں بھیجا ہے نہ یہ حیرہ کے جر مقانی لوگ ہیں۔ میرا مقابلہ محمد بن عبد اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار سے ہے۔ (منتخب طریحی ص ۲۹۹) اس کے باوجود وہ لوگ حضرت مسلم پر قابو نہ پا سکے۔ وہ کوفہ کی گلیوں میں شیر کی طرح دشمنوں پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ آخر کار خس پوش گڑھے میں گرا کے اور بزدلانہ حملوں سے زخمی کر کے ان کو اسیر کیا گیا۔ اس سے قبل جب الاشعث نے ان کو امان کی پیشکش کی تھی تو آپ نے جواب دیا تھا کہ "جب تک میرے بازوؤں میں طاقت ہے مجھے اسیری قبول نہیں۔"

دربار ابن زیاد میں زخمی اور جکڑے ہوئے مسلم ابن عقیل سے جب کہا گیا کہ "امیر پر سلام کرو!" تو انہوں نے جواب میں کہا "حسینؑ کے علاوہ میرا کوئی امیر نہیں!" ابن زیاد سے ان کی گفتگو جرأت حق کی ایسی داستان ہے جو لازوال ہے۔ مسلم کو قتل کرنے کے لئے ابن زیاد نے ایک شامیؑ[۱] سپاہی کو حکم دیا کہ قصر کی دیوار پر ان کی گردن ماری جائے اور ان کا سر اور جسم نیچے پھینک دیا جائے۔ مسلم کو لوگ قتل کے لئے لے چلے تو وہ تسبیح و تکبیر میں محو تھے انہوں نے آسمان کو دیکھ کے کہا یا اللہ تو ہمارے اور اس قوم کے درمیان انصاف کرنے والا ہے! پھر آپ نے مدینہ منورہ کی طرف رُخ کر کے امام حسینؑ کو دور سے سلام کیا اور تلوار آپ کے جسم اور سر کے درمیان حائل ہو گئی۔ ع

کیا بہادر تھے محمدؐ کے گھرانے والے

لوگ اس بات پر حیران ہوتے ہیں کہ کربلا میں امام حسینؑ اور ان کے مختصر

ع ۱ یہ بھی ایک ثبوت ہے کہ امام حسینؑ کے مقابلہ کیلئے فقط کوفی ہی نہ تھے بلکہ شامی فوجی بھی تھے۔

سے انصار کے مقابلے میں جو فوج یزید جمع تھی اس کی تعداد بتیس ہزار سے ایک لاکھ تک مورخین نے لکھی ہے آخر اتنی کثیر فوج کی کیا ضرورت تھی۔ یہ لوگ اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ عاشور سے ایک ماہ قبل ۹ ذی الحجہ کو کوفے میں حسینؑ کے ایک سپاہی حضرت مسلم ابن عقیل کے مقابلے کے لئے صدہا سپاہی ناکافی ثابت ہوئے تھے۔ عرب خوب جانتے تھے کہ یہ خاندان حمزہ۔ جعفر طیارؓ اور علی ابن ابی طالب کا خاندان ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ابن زیاد نے صوبہ بھر میں منادی کرادی تھی کہ جو حسینؑ سے لڑنے کے لئے جانے سے انکار کرے گا اس کو اس کے گھر پر سولی دی جائے گی اور اس کا گھر لوٹ لیا جائے گا۔

مسلم ابن عقیل کے بعد اسی کوفے میں پسران مسلم بھی شہید کر دیئے گئے۔ اس جگر خراش داستان کا اختتام بھی اس پر ہوا کہ ان دونوں بچوں نے قاتل سے اپنی آخری خواہش یہ بیان کی کہ ہم دو رکعت نماز ادا کر لیں اور نماز کے اختتام کے بعد یہ اہل ایمان بچے راہی ملک عدم ہو گئے۔

یہ وہ جانباز تھے جن کی زندگی اور شہادت دونوں المیۂ کربلا کے زرین باب ہیں۔ تعشقؔ مرحوم نے ان ہی کے لئے امام حسینؑ کی زبانی یہ کہا ہے ؎

ایسے نہ ملے ایک کو بھی چاہنے والے
اکثر تو ہیں ان میں سے میری گود کے پالے
سپر یں کبھی نہ روکیں جو چلیں سینے پہ بھالے
ان سب نے یہ الفت کے طریق آج نکالے

انداز وفا کا دمِ آخر نہیں چھوٹا
دامن جو مرا تھام لیا پھر نہیں چھوٹا

کیا وضع کے پابند تھے اللہ یہ جانباز
بیدار دل و عارف و حق بین و سرافراز
ایسے مرے عاشق تھے کہ جن پر ہے مجھے ناز
اٹھتے ہیں تڑپ کر ابھی دیتا ہوں جو آواز
سب سنتے ہیں میں نے جو الفاظ کہے ہیں
ظاہر میں یہ سوتے ہیں مگر جاگ رہے ہیں

اللہ اللہ حسینؑ ابنِ علیؑ کی آواز

آج ۶ محرم ہے

امام حسین علیہ السلام کے خطبات کے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔

آٹھویں ذالحجہ کی رات کو مکہ معظمہ میں فرمایا

"حمد وصلوٰۃ کے بعد معلوم ہو کہ موت اولاد آدم کو یوں گھیرے ہے جیسے کسی حسینہ کے گلے میں ہار اور قلادہ ہوتا ہے۔ مجھے اپنے بزرگوں سے ملاقات کا اشتیاق۔ ملاقات یوسف کے لئے اشتیاق یعقوب سے زیادہ ہے۔ میرے لئے ایک قتل گاہ مقرر ہو چکی ہے جہاں مجھے پہنچنا ہے۔ ہم اہلبیت رضائے الٰہی کو اپنی رضا سمجھتے ہیں ہم ہر بلا پر شکر کرتے ہیں تاکہ صابروں کا اجر حاصل کریں۔ میں کل صبح کوچ کرنے والا ہوں اس لئے جو بخوشی رضائے الٰہی کے لئے جاں فروشی پر آمادہ ہو وہ ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو جائے۔"

مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر ملنے پر فرمایا

"اللہ مسلم پر رحمت نازل کرے انہوں نے اپنا فرض پورا کیا۔ ابھی ہمارا فرض باقی ہے۔ اگر جسم موت کے لئے پیدا ہوتے ہیں تو آدمی کا راہِ خدا میں قتل ہو جانا سب سے افضل ہے۔ اگر رزق اللہ کی طرف سے مقدر ہوتے ہیں تو اس میں کم لالچ

کرنا محبت خدا کے لئے اجمل واحسن ہے۔ اگر دولت چھوڑ جانے کے لئے جمع کی جاتی ہے تو مرد آزاد اس میں بخل سے کیوں کام لے؟

راہِ کربلا میں لشکر حُر سے خطاب

"میں خود تو تمہارے پاس نہیں آیا ہوں۔ تم نے خطوط اور پیغامبر بھیج کے التجائیں کی تھیں کہ تمہارا کوئی امام نہیں اور تم مجھ سے ہدایت و حق نمائی کے طالب ہو۔ اب اگر تم اپنے عہد پر قائم ہو تو اس کی تجدید کرو اور اگر تم کو میرا آنا اب گوارا نہیں تو میں جس سمت سے آیا ہوں اسی طرف پلٹ جاؤں اگر تم اللہ سے ڈرو اور یہ جان لو کہ حق اس کے اہل ہی کے لئے ہے تو خدا تم سے راضی ہو گا۔ ہم اہل بیت محمدؐ ولایت امر کے ان مدعیوں سے زیادہ حق دار ہیں جو ظالم اور جابر ہیں۔ اگر تم کو ہم سے کراہت ہے یا جان بوجھ کے ہمارے حق سے انکار ہے اور اب تمہاری وہ رائے نہیں جو تم نے اپنے خطوط میں لکھی تھی تو میں واپس ہوا جاتا ہوں۔"

(حُر نے ابن زیاد کو یہ بات لکھ بھیجی اس نے واپس جانے کے بجائے آپ کو گھیرنے کا حکم دیا۔)

کربلا سے ایک منزل پہلے اپنے ساتھیوں سے خطاب

"تم دیکھ رہے ہو کہ ہماری کیا حالت ہے، دنیا کا رنگ بدل چکا ہے وہ پہچاننے سے انکاری ہے وہ اپنا منہ پھیر رہی ہے دنیا تو فانی ہی ہے۔ تم یہ

بھی دیکھ رہے ہو کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا ہے اور باطل سے پرہیز نہیں کیا جا رہا ہے اب مومن کے لئے یہی راہ رہ جاتی ہے کہ وہ حق سے وابستگی کے ساتھ اپنے رب کی ملاقات کی تمنا کرے۔ ان حالات میں میں موت کو ایک سعادت اور ان ظالموں کے ساتھ زندہ رہنے کو عار اور اذیت سمجھتا ہوں۔"

شبِ عاشور اصحاب سے خطاب

"میں اللہ کی بہترین ثنا اور رنج و راحت میں اس کی حمد کرتا ہوں۔ اس کا شکر کہ اس نے ہم کو نبوت کی سرفرازی عطا کی۔ اس نے ہمیں علم قرآن سکھایا۔ دین کی دانش بخشی اور سننے والے کان دیکھنے والی آنکھیں اور بالیقیں قلب عطا کئے۔ خدایا تو ہمیں شکر گزاروں میں شمار کر۔ مجھے معلوم ہے کہ نہ کسی کو ایسے وفادار ساتھی ملے ہوں گے اور نہ ایسے صلۂ رحم کرنے والے قرابت دار جیسے تم سب ہو۔ میری طرف سے اللہ تم کو اس کی نیک جزا عطا کرے۔ اس قوم کی طرف سے ہمارے لئے بس ایک دن کا کچھ حصّہ باقی ہے۔ میں بخوشی تم کو اجازت دیتا ہوں کہ تم چلے جاؤ۔ میں کوئی ذمہ داری تم پر نہ رکھوں گا۔ یہ رات کا وقت ہے اس کے پردے میں منتشر ہو جاؤ۔ یہ لوگ میرے سوا کسی کے طالب نہیں۔ اس لئے وہ کبھی مزاحم نہ ہوں گے۔)

(سب نے بیک زبان ساتھ چھوڑنے سے انکار کیا اور ایسے فدویانہ کلمات کہے جس پر آبدیدہ ہو کر امامؑ نے ان کا شکریہ ادا کیا۔)

روز عاشور کا پہلا خطبہ لشکر یزید سے خطاب

میری بات غور سے سنو، عُجلت سے کام نہ لو پہلے مجھے وہ نصیحت کر لینے دو جو مجھ پر تمہارا حق ہے۔ مجھے یہاں آنے کا عذر بیان کرنے دو۔ اگر تم اس کو تسلیم کر کے انصاف کرو گے تو سعادت کے اہل ہو گے اور اگر تم کو نہ میرا عذر قبول ہے نہ تم مجھ سے انصاف کرنا چاہتے ہو تو جاؤ سب مل کے جو چاہو کرو مہلت بھی نہ دو۔ میرا سرپرست و والی تو اللہ ہے، جس نے قرآن نازل کیا ہے۔ وہی نیک بندوں کا سرپرست ہے۔

روز عاشور کا آخری خطبہ

عجیب انداز سے حمد و نعت کے کلمات ادا کئے جو بلاغت کی جان ہیں پھر فرمایا۔

پہلے میری نسبت تو متعین کرو کہ میں کون ہوں؟ پھر اپنے نفسوں کی طرف توجہ کر کے ان کو شرمندہ کرو اور غور کرو کہ کیا میرا قتل اور میری بے حرمتی تمہارے لئے موزوں ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کا فرزند نہیں ہوں؟ کیا میں ان کے وصی اور سب سے پہلے ان کی تصدیق کرنے والے ان کے ابنِ عم کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا سید الشہدا، حمزہ اور جعفر طیار میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا تم تک یہ حدیث رسول نہیں پہنچی ہے کہ میں اور میرے بھائی سردار جوانان جنت ہیں؟ میں نے اس علم کے سبب کہ خدا جھوٹے کو ناپسند کرتا ہے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اگر تم

میری بات کا یقین کرو تو خیر ورنہ تم میں ابھی وہ لوگ موجود ہیں جو اس کی گواہی دیں گے کہ انہوں نے خود آنحضرتؐ سے یہ حدیث سنی ہے۔ جابرؓ بن عبداللہ انصاری ابو سعیدؓ خذری، سہیلؓ ابن سہیل ساعدی۔ زیدؓ ابن ارقم اور مالکؓ ابن انس سے پوچھو کہ انہوں نے کتنی مرتبہ اس کی سماعت کی ہے۔ کیا یہ حدیث بھی تمہیں میرا خون بہانے سے نہیں روکتی؟ کیا تم کو اس میں بھی کوئی شک ہے کہ میں تمہارے نبی کا بیٹا ہوں؟ خدا کی قسم مشرق و مغرب میں میرے علاوہ بنتِ رسولؐ کا فرزند کوئی نہیں نہ تمہارے درمیان نہ غیروں کے درمیان۔ کیا میں نے تم میں سے کسی کا خون کیا ہے؟ یا تمہارے مال پر ناجائز تصرّف کیا ہے یا میرے ذمے کسی زخم کا قصاص ہے۔ (خاموشی)۔ اے شبث ابن ربعی، اے حجار ابجر اے قیس ابن الاشعث اور اے یزید ابن الحرث کیا تم لوگوں نے مجھے خطوط میں یہ نہیں لکھا تھا کہ شگوفے کھِلے ہوئے ہیں۔ میوے پختہ ہو گئے ہیں۔ ہمارے نخلستان شاداب ہیں اور ہمارے لشکر آمادہ ہیں، آپ جلد تشریف لائیں؟؟

(کان کھول کر سن لو) میں ذلّت سے اپنا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں نہ دوں گا۔ نہ غلاموں کی طرح فرار کروں گا میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ وہ تم پر عذاب، سنگباری نہ نازل کرے اور میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں ہر اس متکبّر اور پر غرور سے جو یوم حساب پر ایمان نہ لایا ہو۔

شہادت سے قبل آخری دعا

"اے پروردگار تیری قضا پر صبر کرتا ہوں۔ تیرے سوا کوئی معبود

نہیں۔ اے پناہ مانگنے والوں کی پناہ نہ تیرے سوا میرا کوئی رب ہے نہ معبود، تیرے حکم پر صبر کرتا ہوں اے اس کی پناہ جس کو کوئی پناہ دینے والا نہ ہو اے ہمیشہ باقی رہنے والے، اے مُردوں کو زندہ کرنے والے، اے ہر نفس کو اس کے عمل کا بدلہ دینے والے میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کر وانت خیر الحاکمین"

اور پھر

کمال عشق و محبت کی آخری منزل
تمام ہو گئی ایک ناتمام سجدے میں

(ریاض المصائب، طبری۔ کامل ابن اثیر، تاریخ ابن عساکر، کامل الزیارات وغیرہ)

کیا فوجِ حسینی کے جوانان حسین تھے!

آج ۷ محرم ہے

آج سے ساقی کوثر کی اولاد پر پانی بند ہو گیا تھا۔
میر انیس نے اپنا ایک مرثیہ اسی یاد سے شروع کیا ہے ۔

جب ساتویں تاریخ کی مقتل میں شب آئی
غربت میں نبیؐ زادوں پہ آفت عجب آئی
شب آئی کہ فوجِ غم و رنج و تعب آئی
تھا شور کہ بس موت غریبوں کو اب آئی
راحت نے کنارا کیا زہرا کے پسر سے
پانی بھی ہوا بند اسی شب کی سحر سے

طبری اور دوسرے مورخین نے لکھا ہے کہ ۷ محرم کو ابن سعد نے عمرو بن الحجاج کو پانچ سو سواروں کے ساتھ اس بات پر مقرر کیا کہ نہر فرات سے ایک قطرہ بھی خیام حسینی میں نہ جانے پائے۔ ابو مخنف وغیرہ لکھتے ہیں جب پیاس کی شدت ہوئی اور کنوئیں کھودنے پر بھی پانی نہیں نکلا تو امام علیہ السلام نے حضرت عباس کو فرات سے پانی لانے کی سعی کا حکم دیا اور آپ چند اصحاب کے ساتھ گئے اور شدید جنگ کے بعد چند مشکیں پانی کی لائے اور اسی کی نسبت سے آپ کا لقب "سقائے اہل بیت" ہوا (ماتین علامہ کنتوری) اس کے بعد کئی

ہزار فوج مقرر کی گئی جو صبح شام ننگی تلواریں لئے ہر طرف پہرہ دینے لگی اور آٹھویں سے ایسا قحط آب ہوا کہ خدا کی پناہ۔

تین دن کی پیاس میں روز عاشور حسینؑ اور انصار حسینؑ اور عورتوں اور بچّوں کا کیا حال ہوگا۔ اس کا کچھ حال تو تاریخوں میں درج ہے اور جو چشم تصوّر دیکھ سکتی ہے وہ حسینی شعراء نے مراثی میں پیش کیا ہے۔ شعر و ادب نے کام ہی یہی کیا ہے کہ حیات و کائنات کی تاریخ میں جو خلاء رہ گیا ہے اس کو اپنی فکر اور مصوّرانہ تخیل سے پُر کرنے کی سعی کی ہے۔ ایک تو صداقت تاریخی اور واقعاتی ہوتی ہے۔ دوسری صداقت ادبی ہوتی ہے۔ ادب میں تفاصیل و جزئیات تو ادیب اور شاعر کی اپنی خیال آرائی کا نتیجہ ہوتی ہیں مگر ان کی بنیاد حقائق اور فطرت انسانی پر ہوتی ہے اور جتنی یہ بنیاد مستحکم ہوتی ہے اتنا ہی بڑا اور جاندار ادب ہوتا ہے۔ ایک اور بات یہ ہے کہ ادب کے موضوعات میں "نیکی اور بدی کی کشمکش" سب سے مقبول اور پسندیدہ موضوع ہے اور چونکہ المیۂ کربلا میں یہ کشمکش نہایت شدید اور گوناگوں پہلوؤں اور اشخاص کے ساتھ موجود ہے جس میں عورتیں، بوڑھے، جوان سب شامل ہیں اس لئے اس سے ایسا عظیم ادب رونما ہوا ہے جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

عالمی ادب پر مسلمان شعراء و ادباء کا یہ احسان ہے کہ انہوں نے کربلا کو اپنی فکر کا سرچشمہ بنایا۔ وہ کربلا جو دریائے نیل سے زیادہ طویل دریا اور بحر عظم سے زیادہ وسیع اور عمیق سمندر ہے اور درحقیقت یہ اسلام اور رسول اسلامؐ کا فیض ہے کہ اس نے "ذبح عظیم"، "شہادتِ عظمیٰ" اور "قربانی

کبیر" سے انسانیت کو ایسا شرف عطا کیا کہ وہ مسجودِ ملائک ہونے کی اہل ثابت ہوئی۔

کربلا کے ابھی بہت سے پہلو ادب و شعر کو بلندیوں تک لے جانے کے منتظر ہیں۔ مثلاً امام حسینؑ کے ایک جاںنثار ساتھی وہب ابن عبداللہ کلبی، ان کی نوعروس بیوی اور والدہ گرامی کا حال جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہ ملے گی۔

وہب کی والدہ کا نام قمری تھا۔ ان کی محبّت مودت محمدؐ و آل محمدؐ کے متعدد واقعات کتابوں میں ملتے ہیں مگر کربلا میں ان کے کردار اور ان کی محبّت حق کا کیا جواب ہوسکتا ہے۔ آغاز جنگ ہی سے وہ اپنے نوجوان بیٹے کو جس کی شادی کو بہ مشکل دو ہفتے ہوئے تھے۔ میدان میں جانے اور فدائے حق ہونے کا شوق دلا رہی تھیں۔ آخر وہب کلبی اجازت لے کر میدان میں آئے اور حسبِ رواج عرب رجز پڑھا جس میں ادّعائے شجاعت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ لیس جہادی باللعب (میں جہاد کرنے آیا ہوں ـــ بچوں کا کھیل نہ سمجھو)

کچھ دیر دادِ شجاعت دینے کے بعد وہ واپس آئے اور اپنی ماں سے پوچھا آپ میرے کارناموں سے خوش ہوئیں؟ اس پُرعزم و ہمت ماں نے کہا" اس وقت تک نہیں جب تک تم امام حسینؑ کے سامنے شہید نہ ہو جاؤ!" یہ گفتگو سن کے نئی نویلی دولھن نے کہا اپنی ماں کے کہنے پر نہ جاؤ اور اپنے کو اژدھے کے منہ میں نہ ڈالو!" یہ سن کے وہب کی ماں نے کہا" بیٹا عورتوں کی باتوں پر نہ جاؤ ان کو سب سے زیادہ اپنا سہاگ عزیز ہوتا ہے مگر آج کا جیسا موقع پھر کبھی ہاتھ

نہ آئے گا۔ انسان کا مقصود اصلی آخرت ہونا چاہیئے۔ والدین کی خوشنودی اور شفاعت رسولؐ کے بغیر رضائے الٰہی کا حصول ناممکن ہے اور آج امام پر جان نثار کر کے تم یہ نعمت حاصل کر سکتے ہو جب وہب کی بیوی نے دیکھا کہ وہب بھی قربان ہونے پر مصُر ہیں تو وہ بولی۔ اچھا تم تو جا رہے ہو اور شہادت کے بعد جنت میں جاؤ گے اور حوروں کے جھرمٹے میں مجھے بھول جاؤ گے اس لئے چلو اور چل کے امام حسینؑ کے سامنے یہ عہد کرو کہ جنت میں بھی تم مجھے فراموش نہ کرو گے اور میں تمہارے ساتھ رہوں گی۔ امام کی خدمت میں آ کے زوجہ وہب نے کہا۔ حضور وہب تو اپنی جان فدا کرنے جا رہے ہیں میرا کوئی وارث یہاں نہیں ہے اس لئے مجھے اپنے اہل بیت کے سپرد فرما دیجئے اور دوسرے یہ کہ یہ آپ کے سامنے مجھ سے وعدہ کریں کہ وصال حور العین کے بعد مجھے فراموش نہ کریں۔ یہ سُن کے امامؑ آبدیدہ ہو گئے اور زوجہ وہب کو اپنی خواتین کے سپرد کیا۔ ادھر وہب نے وعدہ کیا کہ میں جنت میں بھی تجھ سے جدا نہ رہوں گا اور پھر میدان جنگ کا رخ کیا۔ جہاں بھرپور جنگ کے بعد ان کے دونوں ہاتھ قطع ہو گئے یہ دیکھ کے زوجہ وہب نے ایک خیمہ کی میخ ہاتھ میں لی اور شوہر کے قریب پہنچ گئی اور شوہر کو نصرت امام حسینؑ اور حصول شہادت کا جوش دلانے لگی۔ وہب نے کہا، حیرت ہے کہ کچھ دیر پہلے تو تو مجھے میدان میں جانے سے روک رہی تھی، اور اب خود میدان میں آ گئی ہے اور مجھے نصرت امام حسینؑ کا جوش دلا رہی ہے۔ زوجہ وہب نے کہا امام حسینؑ کی آواز استغاثہ لعینی رد رہے کوئی مدد کرنے والا جو رسولؐ کی آل کی حمایت کرے!" یہ سُن کے میں بیتاب ہو گئی

اور میں نے طے کر لیا ہے کہ اب تیری ہی طرح جنگ کر کے شہید ہو جاؤں گی۔ وہب نے کہا کہ تو واپس جا۔ عورتوں سے جہاد ساقط ہے۔ اس مومنہ نے کہا ہرگز نہیں اب ہم تم دونوں ساتھ خاک و خون میں لوٹیں گے۔ غیرت عرب سے وہب کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ہاتھ تو کام سے جاتے رہے تھے۔ دانتوں سے بیوی کا دامن پکڑا اور خیمہ گاہ کی طرف چلا۔ امام حسینؑ کو خبر ہوئی تو آپ نے اس کو دعا دی اور سمجھایا کہ عورتوں پر جہاد بالسیف فرض نہیں تو عورتوں میں واپس چلی جا۔ اس نے کہا مولا مجھے لڑ کے مر جانے دیجئے۔ میں دشمنوں کے ہاتھوں اسیر ہونا پسند نہیں کرتی۔ امامؑ نے سمجھا کے اس مومنہ کو عورتوں میں بھیج دیا۔ اسی اثنا میں دشمنوں نے پھر حملہ کیا اور وہب کو شہید کر دیا تو زوجہ وہب پھر میدان میں نکل آئی اور اس کا سر زانو پر رکھ کے خاک و خون صاف کرنے لگی اور اسے مبارکباد دینے لگی۔ یہ ایسا منظر تھا اور اس کی گفتگو میں وہ اثر تھا کہ شمر ملعون نے اپنے غلام کو حکم دیا اور اس نے آہنی گرز سے زوجہ وہب کو شہید کر دیا۔ مورخین کا اتفاق ہے کہ یہ پہلی عورت تھی جو نصرت امامؑ میں شہید ہوئی۔ اس کے بعد فوج یزید نے وہب کا سر کاٹ کے اس کی ماں کی طرف پھینک دیا۔ مادرِ وہب نے دوڑ کر اسے اٹھا لیا اور پیار کر کے کہنے لگی۔

"اس خدا کا شکر ہے جس نے تیری شہادت سے مجھے سُرخرو کیا۔ اے قوم اعدا، اے بدکردارو، میں گواہی دیتی ہوں کہ قوم نصاریٰ اپنے کلیسا میں اور قوم مجوس اپنے کنیسا میں تم سے بہتر ہے! اور پھر ایک چوب

خیمہ لے کر حملہ آور ہوئی اور یزیدیوں کو اس کی ضرب سے قتل کیا۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنے انصار بھیج کر بہ شکل مادر وہب کو میدان سے واپس بلا لیا۔ اور فرمایا۔ اے کنیز خدا گھر میں بیٹھ عورتوں کے لئے حکم جہاد نہیں ہے مطمئن رہ کہ تو اور تیرا بیٹا میرے جدِ بزرگوار کے سائے میں جنت میں رہیں گے۔ مادرِ وہب نے کہا:

اللھم لا تقطع رجائی

خدایا میری امیدوں کو منقطع نہ کرنا۔

امام نے فرمایا:

اے امّ وہب اللہ کبھی تیری امیدوں کو قطع نہیں کرے گا۔

(ماخوذ از ذبح عظیم وغیرہ)

انصاف سے بتلایئے کیا یہ واقعات عظیم ادب کے محرک نہیں ہیں؟ کربلا میں قدم قدم پر ایسے ہی اوراق بکھرے ہوئے ہیں۔

اللہ اکبر! مجھے پھر انیسؔ یاد آرہے ہیں ؎

مرقوم ہیں قرآن میں رتبے شہدا کے
بے جاں ہوئے پردیس میں کیا رنج اٹھا کے
وہ چاہنے والے تھے امام دوسرا کے
طالب تھا خدا ان کا وہ طالب تھے خدا کے
دنیا میں یہ تحصیل سعادت کا صلا تھا
آقا بھی انہیں سبطِ پیمبرؐ سا ملا تھا

مستِ مےِ عرفاں تھے وہ سب عاقل و ذی ہوش
تھی غیرِ خدا سب کی انہیں یاد فراموش
دنیا سے بری بارِ علائق سے سبکدوش
دل یادِ الٰہی میں جو یوں دیکھو تو خاموش
ہر دم سرِ تسلیم تھا خم راہِ خدا میں
بڑھتے چلے جاتے تھے قدم راہِ خدا میں

کس شیر کی آمد ہے
کہ رن کانپ رہا ہے

آج ۸ محرم ہے

آج کا دن حضرت عباس علمدار کے تذکرے کا دن ہے۔ علمداری اور وفا کے تذکرے کے ساتھ ہی عباس کا نام ذہن میں خود بخود آ جاتا ہے۔

حضرت عباس ابن علی ابن ابی طالب سنہ ۲۶ھ میں پیدا ہوئے آپ کی والدہ کا نام اُم البنین تھا جو خرام بن خالد کی بیٹی تھیں۔ حضرت علی نے حضرت فاطمہ زہرا کے بعد ماہر علم نسب حضرت عقیل کے مشورے سے شجاعت میں عرب کے سب سے مشہور خاندان کی ان خاتون سے شادی کی تھی جن کے بطن سے چار فرزند عباس، عبداللہ، عثمان، اور جعفر پیدا ہوئے اور یہ چاروں کربلا میں دادِ شجاعت دے کر شہید ہوئے۔

حضرت عباس کا نام حضرت علی نے اپنے چچا عباس اور عبداللہ کا نام آنحضرت کے والد عبداللہؑ اور عثمان کا نام اپنے ابن عم عثمان ابن مظعون اور جعفر کا نام اپنے بھائی جعفر طیار کے نام پر رکھا تھا۔ حضرت علیؑ کی شہادت کے وقت حضرت عباس کی عمر چودہ سال کی تھی آپ اپنے اشجع عالم باپ کے ساتھ کئی جنگوں میں حاضر تھے۔ امام حسنؑ کی شہادت کے وقت آپ کی عمر ۲۴ سال کی تھی اور کربلا میں وقت شہادت آپ کی عمر

چونتیس سال کی تھی۔ حضرت عباسؑ کو حسن و جوانی کی وجہ سے اہل مدینہ قمر بنی ہاشم (بنی ہاشم کا چاند) کہتے تھے۔ امام جعفر صادق کا قول ہے کہ "حضرت عباسؑ" صاحب علم و بصیرت اور کامل الایمان تھے۔" امام زین العابدین نے ایک مرتبہ عبید اللہ فرزند عباس بن علیؑ کو دیکھ کر فرمایا تھا۔ میرے جد رسول خداؐ پر دو دن بہت سخت گذرے ایک یوم احُد جب حضرت حمزہؓ عم رسولؐ شہید ہوئے۔ دوسرے یوم جنگ موتہ جس میں چچازاد بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب شہید ہوئے۔ مگر ان دونوں دنوں سے سخت روز عاشور تھا جب بتیس ہزار اشقیائے نے امام حسینؑ کو گھیر کے شہید کیا۔ پھر آپ نے کہا۔ خدا رحمت نازل کرے میرے چچا عباس پر جنہوں نے اپنی جان امام حسینؑ پر فدا کی۔ سب مصائب اٹھائے تا آنکہ دونوں ہاتھ بھی ان کے کٹ گئے۔ خدا کے نزدیک ان کا وہ رتبہ ہے کہ روز قیامت تمام شہدا تمنا کریں گے کہ کاش یہ رتبہ ہمیں بھی ملا ہوتا۔

شبِ عاشور جب امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب و اعزا سے خطاب کرکے سب کو ایک مرتبہ پھر چلے جانے کی اجازت دی تھی تو سب سے پہلے قائد لشکر حسینی حضرت عباس بن علی نے کھڑے ہو کر کہا تھا۔ اے آقا یہ تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ہم آپ کو چھوڑ کے چلے جائیں۔ خدا وہ گھڑی نہ لائے کہ ہم آپ کے بعد زندہ رہیں۔ حضرت عباس علمدار اور امام حسینؑ کو دیکھ کے لوگ حضرت رسول خداؐ اور حضرت علیؑ کو یاد کرتے تھے۔ جس طرح ابو طالب نے اپنے فرزند علیؑ کو رسولؐ کی خدمت و حمایت و نصرت

کے لئے وقف کردیا تھا اسی طرح حضرت علیؑ نے عباسؑ وفادار کو امام حسینؑ کے لئے ذخیرہ کیا تھا۔ حضرت علیؑ ہمیشہ حسنؑ و حسینؑ کو فرزند رسولؐ سمجھتے تھے اور دوسرے بیٹوں کو اپنی اولاد ہر وہ چیز جس کو رسولؐ سے نسبت تھی علیؑ کو عزیز اور پسند تھی باوجود شرف ولایت و وصایت و اخوت و امامت حضرت علیؑ کہتے تھے انا عبدٌ مِن عبیدِ محمدؐ میں غلامانِ محمد میں سے ایک غلام ہوں۔ آپ کا ایک دوسرا قول استاد اور معلم کی عظمت میں یہ ہے کہ من علّمنی حرفاً فقد سیرنی عبداً جس نے مجھے ایک لفظ بھی تعلیم کیا اس نے مجھے اپنا غلام بنالیا ظاہر ہے کہ علیؑ نے جو کچھ بھی سیکھا تھا وہ آنحضرتؐ سے سیکھا تھا اسی لئے تو آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ میں علم کا شہر اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں جو میرے علوم کا خواہاں ہو وہ دروازے سے میرے پاس آئے (مسانید وصحاح وغیرہ)

حضرت علیؑ کی تربیت کا یہ نتیجہ تھا کہ حضرت عباس علمدار ہمہ وقت امام حسینؑ کے گرد پروانہ وار رہا کرتے تھے اور اپنے کو امام حسینؑ کا غلام اور خادم کہتے تھے۔ یہ ادبِ آلِ محمدؐ تھا۔ بزرگوں کی تعظیم اور شرف ختم نبوّت و فضیلت امامت و سیادت کا احترام کرکے انہوں نے مسلمانوں کے لئے عملی سیرت پیش کی ہے

امام زین العابدینؑ وارث علوم محمدیؐ تھے۔ وہ عزت افزائی کے لئے بعض تابعین کے حلقہ ذکر حدیث میں تشریف لے جاتے۔ کسی نے کہا مولا اس غلام زادے کے حلقے میں بیٹھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ خبردار ایسی بات آئندہ نہ کہنا۔ یہ حدیث رسولؐ کے ذکر اور علم کا احترام ہے۔ علم ہی انسان کو بلند اور جہالت ہی اس کو

پست کرتی ہے۔ یہ اعتراض عہد بنی امیہ میں اس قریش کی ذہنیت کا آئینہ ہے جن کے نزدیک شرافت خاندان اور نسب ہی سے متعین ہوتی تھی۔ اسی کو دیکھتے ہوئے اللہ نے اپنے آخری رسول کو سب سے بہتر نسل اور خاندان میں بھی پیدا کیا اور اس کے عمل کے ذریعہ انسانی مساوات، علم و تقویٰ اور کردار کی حقیقی عظمت کا سبق بھی دیا اگر معاذ اللہ آنحضرتؐ اگر خود کسی کمتر خاندان سے ہوتے تو آپ کے در سے مساوات اور احترام کردار پر لوگ خصوصاً قریش جن کو نسل پر بڑا ناز تھا یہ کہتے کہ رسولؐ کا خاندان اور نسب چونکہ بلند نہیں اس لئے وہ یہ درس دے رہے ہیں۔

حضرت عباس ایسے شجاع اور بہادر تھے اور ان کے نام سے ان کے والد بزرگوار کی بے نظیر شجاعت کی ایسی یادیں وابستہ تھیں کہ افراد تو کیا فوجیں بھی ان کے نام سے تھرّاتی تھیں یہی وجہ ہے کہ خواتین و اطفال قافلہ حسینی کو ان کی زندگی میں اپنے تحفظ کا پورا اطمینان تھا۔ آج کے عہد میں بھی جو بے پناہ تباہی مچانے والے دُور مار اسلحہ کا ہے، انسانی افراد کی شجاعت اسلحہ سے برتر ہے یہی وجہ ہے کہ مسلمانانِ باایمان کی بہادری کی ساری دنیا میں دھاک ہے۔

شجاعت فقط لڑنے کا نام نہیں اس میں انسانیت، شرافت، خودداری۔ استقامت، غیرت اور جاں بازی کے علاوہ عقل و خرد اور اطاعت قیادت بھی شامل ہے۔ تنظیم اور خود سپردگی بھی ہے۔ وہی سپاہی اچھا سپاہی ہے جو اپنے قائد کی اجازت پر آگے بڑھے اور اس کے حکم پر رک جائے۔ خواہ اس کا دل اس وقت رکنے کو چاہتا ہو یا نہ ہو۔ اس لئے کہ سپاہی فوج کا حصہ ہونا

ہے اور فوج کسی مقصد کے لئے لڑتی ہے، اور مقصد کی نزاکتوں اور مصلحتوں کو قیادت ہی پوری طرح سمجھنے کی اہل ہوتی ہے اور جنگ میں اتنا وقت نہیں ہوتا کہ تفصیل سے ہر علاقائی کمانڈر یا ہر سپاہی کو ہر حکم کی مصلحت بتلائی جائے۔

حضرت عباس نے کربلا میں اپنے عمل، اپنی قوت، قیادت اور اطاعت و انقیاد سے مسلمان سپاہیوں کو بڑے بڑے درس دیئے ہیں۔ روز عاشور تمام انصار حسینی موت پر جا پڑنے اور اپنا گلا کٹوانے کے مشتاق تھے مگر ان کی ترتیب و تنظیم ضروری تھی۔ اتنی مختصر سی فوج کو جس میں بچے اور بوڑھے بھی تھے منظم رکھنا اور دفاع کے تقاضے پورے کرنا آسان کام نہ تھا۔ پیاس بڑھتی جا رہی تھی۔ زخموں اور مصیبتوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔ دوستوں اور عزیزوں کی موت سے اور ظاہری فتح کے امکانات کم ہونے سے ثبات کا امتحان اور سخت ہوتا جا رہا تھا۔ اس لئے جس کو دیر میں اجازت دی گئی۔ اس کا مرتبہ زیادہ بلند اور اس کی طاقت صبر زیادہ محکم تھی۔ انصار کے بعد امام حسین علیہ السلام نے جو امام بھی تھے اور قائد اعلیٰ بھی، اپنے سب سے پیارے بیٹے علی اکبر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا جو شبیہ رسولؐ ہونے کی وجہ سے ان کو دوسری اولاد سے زیادہ پیارے تھے۔ یہ حکم حضرت عباس کے لئے بڑا صبر آزما تھا۔ جس طرح انصار کی موجودگی میں آل محمدؐ کی کسی فرد کا میدان میں جانا انصار کے لئے کسی طرح گوارا نہ تھا، اسی طرح اوروں کی موجودگی میں علی اکبر کا قصۂ شہادت یوں تو سارے بنی ہاشم کے لئے ناگوار تھا، مگر عباس کے لئے تو اتنا تلخ تھا کہ جس کا تصوّر فقط اہل وفا ہی کر سکتے ہیں مگر نظم و ضبط اور اطاعت امام نے عباس کا ہاتھ پکڑ لیا، قدم روک

لئے اور زبان پر مہر لگا دی البتہ دل کے جذبات چہرے پر سرخی اور آنکھوں میں آنسو بن کے چھلکنے لگے۔ یہی وہ مقامات ہیں جہاں حسینی شعراء اپنی زبان حال کے کیمرے لے کر پہنچے ہیں اور انہوں نے ان کیفیات کی ترجمانی کی ہے جن کو تاریخ نظر انداز کر کے آگے بڑھ جاتی ہے۔

میر انیسؔ سے سنیئے۔ حضرت عباس کو رخصت جہاد دے کر امام افسردہ ہیں اور زوجہ عباس سے مخاطب ہیں وہ عرض کرتی ہیں ؎

یہ آج کی شب چین سے دم بھر نہیں سوئے
گہ زیر فلک جا کے دعا کی کبھی روئے
دھڑکا تھا کہ پہلے نہ کوئی جان کو کھوئے
مقتل میں علمدار فدا شاہ پہ ہوئے
رخصت جو ملی اب تو انہیں عید ہوئی ہے
لونڈی پہ تو رونے کی بھی تاکید ہوئی ہے

اک آہ بھری شہ نے یہ سُن کر سخنِ یاس
آداب بجا لا کے چلے حضرت عباس
سر کھولے ہوئے غول تھا رانڈوں کا چپ و راس
یہ کہتے تھے شہ اب ہوئے ہم بیکس و بے آس
تا زیست تو اب دردِ جُدائی نہیں جاتا
دنیا سے علی جاتے ہیں بھائی نہیں جاتا

حضرت عباس کی جنگ، فوجوں کو شکست دے کر ان کا نہر فرات پر

پر قبضہ کرنا، بچوّں، عورتوں اور امام حسینؑ کی پیاس یاد کرکے نہر میں اترنے اور مشک بھرنے کے باوجود خود پانی نہ پینا۔ پھر بھری ہوئی مشک اور نشان فوج لے کر پلٹ آنے والے لشکر مخالف کا مقابلہ کرنا، پہلے داہنا اور پھر بایاں ہاتھ کٹ جانا۔ مشک کو دانتوں میں دبا کے سینے کے نیچے چھپا کے گھوڑے پر جُھک جانا اور خیام حسینی تک پہنچنے کی کوشش کرنا ــــ یہ وہ تاریخی واقعات ہیں جن پر ہر انسان اور ہر مسلمان کو جوش بھی آتا ہے اور پھر یہ جوش آنسو بن کے آنکھوں سے رواں ہو جاتا ہے یکایک تیروں کی بوچھار سے مشک پارہ پارہ ہو جاتی ہے۔ پانی بہہ جاتا ہے اور وہی عباس جو زخمی ہونے، ہاتھوں کے کٹ جانے اور سر پر گرز گراں لگنے کے باوجود آگے بڑھ رہے تھے۔ رک جاتے ہیں۔ اب کیا فقط اپنا نیم جاں جسم لے کے وہ واپس جائیں۔ جن بچوّں سے پانی کا وعدہ کیا تھا ان کو اپنے زخم نذر کریں۔ نہیں بس آخری منزل آگئی۔ عباس گھوڑے سے زمین پر آئے اور دور سے حسینؑ کو آخری سلام کیا اور موت کا انتظار کرنے لگے۔ اور امام کے آنے پر یہ وصیّت کی کہ میری لاش اس جگہ سے اٹھا کے خیموں میں نہ لے جائیے گا۔ آخر اسی جگہ ان کی قبر بنی۔

ہر شاعر کو اپنے کچھ اشعار پر ناز ہوتا ہے مجھے بھی اپنے اس شعر پر ناز ہے ؎

روضۂ عباس ہے سرحدِ سعئ وفا
یعنی یہاں تک رہا مشکِ سکینہ میں آب

آخر میں عظیم حسینی شاعر مرزا دبیرؔ کی شاعرانہ مصوّری کا ایک شاہکار ملاحظہ ہو۔ قلم سے شاید ہی کسی نے ایسی تصویر کھینچی ہو ؎

تن سے جُدا تھا بازوئے عباس نامدار
پنجے سے پر چُھٹی نہ تھی شمشیر آبدار
تھالے لہو کے گرد بدن چور سر فگار
پہلو میں سر جُھکائے وفادار راہوار
چہرہ تھا زرد ہونٹوں پہ دم جان بھائی میں
ٹھنڈا پڑا ہوا تھا علم بھی ترائی میں

وہ بچہ تیر جس کے واسطے شمشیر ہو جائے

آج ۹ محرم ہے

اس روز کو یومِ تاسوعا کہتے ہیں۔ امام جعفر صادق کا قول ہے کہ "تاسوعا یوم حوصر فیہ الحسین علیہ السلام" تاسوعا وہ دن ہے جس دن امام علیہ السلام کو گھیر لیا گیا تھا۔

(بحار الانوار)

۹ محرم کی شام کو ابن سعد نے حسینؑ پر حملہ کا اعلان کیا۔ امام حسینؑ اپنے خیمہ کے سامنے تلوار پر سر ٹیکے بیٹھے تھے نیند آ گئی اور آپ نے خواب میں حضور سرور عالمؐ کی آواز سُنی کہ تم عنقریب میرے پاس آنے والے ہو۔ حضرت زینب نے فوجوں کے بڑھنے کی آوازیں سُن کے آپ کو بیدار کیا اور کہا کہ دشمن قریب آ گیا ہے۔ امام نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ وہ سوار ہو کے جائیں اور پوچھیں کہ کیا بات ہے؟ دریافت کرنے پر فوج ابن سعد نے کہا کہ ہمارے امیر کا حکم آیا ہے کہ ہم تم پر یہ بات پیش کریں کہ اس کا حکم مانو یا پھر جنگ ہو گی۔ امام حسینؑ نے یہ سن کے اپنے بھائی حضرت عباس سے کہا کہ بھائی ان لوگوں سے آج رات کی مہلت طلب کرو تا کہ ہم یہ رات نماز و دعا میں گذاریں اللہ

کو علم ہے کہ میں نماز، تلاوت قرآن اور دعاء و استغفار کو کتنا دوست رکھتا ہوں۔ حضرت عباس نے میدان میں جا کے یہ پیام سنایا تو ابن سعد نے تامل کیا اور اپنے ساتھی سرداروں سے مشورہ کرنے لگا۔ عمرو بن حجاج نے کہا سبحان اللہ اگر اہل دیلم بھی یہ مطالبہ کرتے تو تجھ پر اس کا پورا کرنا ضروری تھا۔ ابن سعد نے جواب میں کہا۔ چلو تم کو ایک رات کی مہلت دی مگر کل ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے (طبری وغیرہ) مورخین کہتے ہیں کہ اس رات خیام حسینی سے نماز اور تلاوت و دعا کی ایسی آوازیں آئی تھیں جیسے بہت سی شہد کی مکھیاں بھنبھنا رہی ہوں۔ لھم دوی کدوی النحل

ظاہر ہے کہ فوج یزید کی حرکت پوری تیاری سے ہوئی ہوگی۔ پیام و سلام کے بعد جنگ کا التواء ہونے سے لوگوں کو سبب معلوم کرنے کی جستجو ہوئی ہوگی۔ پھر شب کی تاریکی اور سناٹے میں سب نے عبادت گذاروں کی صدائیں سنی ہوں گی۔ امن پسندی اور پرہیزگار مسلمان ہونے کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت امام حسین دے سکتے تھے۔ یہ ہر یزیدی سپاہی کے لئے اتمام حجت کا مرحلہ تھا تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں یہ معلوم نہ تھا کہ ہم جن سے لڑ رہے ہیں اُن کا عقیدہ نظریہ اور عمل کیا تھا؟

شب عاشور دنیا کی وہ شب تھی جو روشن ترین دلوں سے زیادہ نورانی اور تابناک تھی۔ اہل ایمان و معرفت کے لئے اس کا تذکرہ اتنا لذیذ ہے کہ اس پر جتنی بھی گفتگو کی جائے کم ہے۔ صدیوں سے خطیب اور ادیب اس رات پر اپنی عقیدت اور بلاغت کے پھول برسا رہے ہیں مگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ موضوع آج بھی

اچھوتا ہے اسی رات کے تذکرے میں جوشؔ نے کہا ہے ؎

اصغر میں پیچ و تاب نہ تھا اضطراب کا
وہ دل دھڑک رہا تھا رسالت مآب کا

۹ محرم کو شبِ عاشور کی یاد کے ساتھ اس کی آخری ہدیہ قربانی کی یاد بھی آتی ہے جو اپنی جان نذر کرنے سے پہلے امام حسینؑ نے بارگاہ احدیت میں پیش کیا تھا۔ علی اصغر حسینؑ کا وہ حربہ تھے کہ دنیا میں کسی نے ایسا پرامن اور ہنگامہ خیز حربہ نہ دیکھا ہوگا نہ سنا ہوگا۔ اگر اچانک حسینؑ کی مدد کے لئے لاکھوں کی فوج آجاتی اور وہ لشکر مخالف کو شکست دے کر کوفہ و دمشق کے ایوانہائے حکومت پر قبضہ کر لیتی تو اتنی حیرت ہوتی نہ اتنے دوررس نتائج ہوتے وہ فتح کتنے دن تک قائم رہتی اور اس کا حاصل چند سالوں کے لئے اچھے عہد اقتدار کے اور کیا ہوتا مگر حسینؑ نے جس "سلاح امن" سے کام لیا اس کی بدولت عالم انسانیت کے دل ہمیشہ کے لئے ان کے ساتھی ہمدرد اور دوست بن گئے۔ اور یزیدیوں کے لئے ابدی اور دائمی نفرت پیدا ہوگئی۔ یہی حسینؑ کا مقصد تھا۔ وہ اپنے نانا کے نقش قدم پر چل رہے تھے جو نصاریٰ نجران کی دعوت مباہلہ کے جواب میں جب یہ دعا کرنے میدان میں نکلے کہ "ہم میں سے جو ناحق ہو اس پر خدا کا عذاب نازل ہو" تو رسول اسلام اپنے ساتھ فقط اپنی بیٹی اپنے داماد اور اپنے نواسوں کو لائے تھے۔ ظاہر ہے کہ جس کو اپنے حق پر ہونے کا کامل وثوق ہو وہی اپنے پیاروں کو خطرے میں ڈال سکتا ہے۔ حسینؑ اپنے جد ابراہیم خلیل کے نقشِ قدم پر چل

رہے تھے جو اپنی امت کو یہ سمجھانے کے لئے کہ انسانی جان کی حرمت بہت عظیم ہے اور دوسروں کی اولاد کو پکڑ کے بتوں پر بھینٹ چڑھا دینا بہت آسان ہے لیکن اگر اللہ کو انسانی جان کی قربانی انسانوں سے مطلوب ہوتی تو وہ ان سے اپنی چہیتی اور لاڈلی اولاد کی قربانی طلب کرتا۔ اور دیکھو میں اپنے لاڈلے اسماعیلؑ کو لایا ہوں اور اپنے ہاتھ سے قربان کرنے کا عزم رکھتا ہوں مگر اللہ نے بتلا دیا کہ قربانی کا مفہوم کیا ہے۔ قربانی اجتماعی مفاد اور عظیم اقدار کے تحفظ کے لئے اپنا سب کچھ نثار کر دینے کا نام ہے۔

جبھی تو عزم خلیل کا فدیہ "ذبح عظیم" بنا جو پیغمبر ختمی مرتبت کا شرف ہے اور جس کی تکمیل امام حسینؑ کے ذریعے ہوئی اور حضرت علی اصغر کی شہادت اس ذبح عظیم پر تمام دلوں کے اقرار کی مہر ہے کہ ہاں حسینؑ کی قربانی "ذبح عظیم تھی۔ بقول میر انیس ؎

گو سن میں بہت کم ہیں پر رتبہ ہے زیادہ
ہے موسم طفلی میں جوانوں کا ارادہ
کیوں ہو نہ اولوالعزم وہ عالم کا خوزادہ
زہرا سی تو دادی اسد اللہ سا دادا
ہے عمر تو چھوٹی پر بڑا کام کیا ہے
بے جنگ کئے خلق میں کیا نام کیا ہے

بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ ہر عمل کا ردِ عمل ہوتا ہے۔ آخر کربلا میں جو کچھ ہوا اُس کا ردِ عمل کچھ اس عہد میں بھی ہوا؟ میں کہتا ہوں کہ قاتلوں

کے عہد اقتدار سے گزر کے آنے والی تاریخ بھی بہت کچھ بتاتی ہے ۔۔۔ یہ درست ہے کہ وہ معاشرہ ظلم اور بدعنوانیوں اور غیر اسلامی طرز عمل برداشت کرتے کرتے پُر از جمود اور بے حس ہو گیا تھا مگر قلب و ضمیر کتنے ہی مُردہ ہو جائیں ان میں دوبارہ زندگی کی صلاحیت موجود رہتی ہے۔ اس معاشرے کو جگانے کے لئے صور اسرافیل سے زیادہ حشر انگیز نعرے کی ضرورت تھی جو کربلا کی شکل میں بلند ہوا اور اس کا ردّ عمل "زنجیری ہوا (جس کو چین ری ایکشن کہتے ہیں) کوفہ اور شام کے بازاروں اور درباروں میں احتجاج کی چیخیں بلند ہوئیں اور اسیرانِ کربلا کا قافلہ جدھر جدھر سے گذرا وہاں ضمیر و قلب کی حیاتِ نو کے آثار نظر آئے۔

کوفہ میں عفیفِ ازدی نے بغاوت کی اور نابینا ہونے کے باوجود اپنی لڑکی سے آنکھوں کا کام لیا اور شیرانہ جنگ کی۔ تکریت والوں نے سر ہائے شہداء اور اسیروں کے قافلے کو لے جانے والے لشکر یزید کو شہر میں داخل نہ ہونے دیا۔ شہر لبینا کے لوگوں نے چیخ چیخ کے کہا، "اولادِ انبیاء کے قاتلو ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔" موصل کے چالیس ہزار شہریوں نے عہد کیا کہ وہ یزیدیوں کے فوجی دستے سے جنگ کر کے سر ہائے شہدا کو چھین لیں گے اور احترام سے دفن کر دیں گے۔ یہ خبر سُن کے قافلہ کا راستہ بدل دیا گیا۔ قنسرین والوں نے شہر کے دروازے بند کر لئے اور پتھر مار کے یزیدیوں کو بھگا دیا۔ شیرز والوں نے قسم کھائی کہ یزیدیوں کو زندہ نہ گزرنے دیں گے چنانچہ راستہ بدل دیا گیا۔ قلعہ طاب والوں نے خولی اور اس کے ساتھیوں کو جو

باہر قیام کر کے پانی لینے گئے تھے۔ پانی دینے سے انکار کیا اور قلعہ کا پُل توڑ کے مسلح مقابلہ کر کے چھ سو یزیدیوں کو قتل کیا۔ شہر سیبور کے لوگوں نے بھی مقابلہ کیا تا آنکہ حضرت ام کلثوم نے دعا دی کہ خدا ان کو ظلم اور گرانی سے محفوظ رکھے۔ مقام حماۃ والوں نے بھی شہر پناہ کے دروازے بند کر لئے اور کہا کہ جب تک ہمارا ایک آدمی بھی زندہ ہے تم داخل نہیں ہو سکتے۔ حمص والوں نے بھی مزاحمت کی اور سرہائے شہدا چھین لینے کا عزم کیا۔ یزیدی خوف زدہ ہو کے جلد روانہ ہو گئے۔ دمشق میں زبردستی آرائش کی گئی۔ بہت سے لوگ شہر چھوڑ کے چلے گئے۔ دربار یزید میں بھی اسیرانِ اہلِ بیت کی صدائے حق اور عوامی ردعمل کو دیکھ کے یزید نے کہا "قتل حسینؑ کے بغیر بھی میں تمہاری اطاعت سے راضی تھا۔"

ظاہر ہے کہ یہ زبانی بات تھی اگر یہ حقیقی رائے ہوتی تو قاتلوں کو کچھ تو سزا دی جاتی۔ حکمراں خود تو جنگ میں حصّہ نہیں لیتے ان کے عمال ہی تعمیل حکم کرتے ہیں۔ سالہا سال کی تیاریوں اور منصوبوں کے بعد یزید کا یہ کہنا عوامی ردِعمل ہی کا نتیجہ تھا اور اسی کو روکنے کے لئے اس کے مجرم ضمیر نے حرمین پر حملہ کرنے کے لئے فوج بھیجی۔ جو لوگ قاتل کی نفسیات سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ وہ جبری ہو جاتا ہے اور ایک قتل کی پاداش سے فرار کرنے کے لئے مزید قتل کرتا ہے اور خود یزید کے بعد اس کے بیٹے کا یہ کہہ کے حکومت سے دستبردار ہو جانا کہ مجھے یہ کانٹوں کی سیج قبول نہیں۔ اس سے بڑا ردِعمل اور اس سے بڑی فتح امام حسینؑ کی اور کیا ہو سکتی ہے؟

مجھے وہ واقعہ کبھی نہیں بھولتا کہ مدینہ واپسی کے بعد جب امام زین العابدینؑ سے کسی نے پوچھا۔ "فتح کس کی ہوئی؟" تو آپ نے فرمایا۔ جاؤ وضو کرو اور اذان واقامت کہو تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ فتح کس کی ہوئی ؎

اب بھی گونجی ہوئی آوازِ اذاں ہے کہ نہیں
یہ محمدؐ کی حکومت کا نشاں ہے کہ نہیں (موسوی)

آج شبیرؑ پہ کیا عالمِ تنہائی ہے!

آج روز عاشور ہے

آج ہر حسینی خطیب اور ذاکر اپنا بیان یوں شروع کرتا ہے کہ "سامعین آج روز عاشور ہے! کیا آج بھی کسی بیان کی ضرورت ہے؟ تصوّر شرط ہے ے
کیا کیا ستم حسینؑ کے دل پر گزر گئے!"

جب سے یہ نظام شمسی قائم ہے ہر روز صبح ہوتی ہے اور ہوتی رہے گی۔ مگر صبح عاشور جیسی صبح نہ پہلے کبھی آئی نہ آئندہ کبھی آئے گی جب سے آفتاب نے غروب ہونا سیکھا ہے دنیا میں رات آتی ہے اور چلی جاتی ہے مگر شب عاشور جیسی رات نہ اس سے پہلے کبھی آئی نہ آئندہ ایسی رات آئے گی۔ اگر کسی کو معلوم ہو جائے کہ یہ میری زندگی کی آخری رات ہے تو یا وہ اسے فکر دنیا میں گزارے گا اور اپنے بعد کے لئے انتظامات کرے گا یا اضطراب و بے چینی میں گزارے گا مگر کربلا والوں نے یہ رات انوکھے طریقے سے گزاری۔ ایک حصہ یاد الہیٰ میں گزارا ایک حصہ اپنی موت کے یقین کے باوجود دفاع کے ممکنہ اہتمام میں بسر کیا اور ایک حصہ شہادت کی لذّت کے تصوّر میں گزارا۔

بُریر نے عبدالرحمٰن انصاری سے شب عاشور دل لگی کی تو عبدالرحمان نے کہا یہ وقت ہنسنے ہنسانے کا ہے؟ بُریر نے کہا میری قوم جانتی ہے کہ جوانی سے بڑھاپے تک مینے مسخرہ پن نہیں کیا مگر آج کی رات میرا دل خوشی سے لبریز ہے ہمارے اور

جنّت کے درمیان ہمارے دشمنوں کی تلواریں ہی تو حائل ہیں کاش وہ تلواریں اسی لمحہ حملہ آور ہوں اور میں جنّت کی مسافت کو جلد از جلد طے کر سکوں!

(طبری جلد ۶ ص ۲۴۱)

حبیب ابن مظاہر ہنستے ہوئے نکلے تو یزید بن الحصین نے کہا یہ ہنسی کا وقت ہے؟ حبیب نے کہا اس سے بہتر ہنسنے کا وقت اور کون سا ہوگا ان دشمنان اسلام کی تلواریں نیام سے باہر آنے کی دیر ہے پھر ہم حوروں کی آغوش میں ہوں گے (رجال کشی) منقول ہے کہ شب عاشور بتیس سے زیادہ لوگ حسینؑ و انصار حسینؑ کی عبادت اور تلاوت کی آوازیں سُن کر لشکر یزید سے نکل کر حسینی لشکر میں آگئے۔ غالباً ۷۲ شہداء میں اسی تعداد کے اضافے سے ان کی تعداد ۱۰۴ ہو جاتی ہے۔ (اللہوف) شب عاشور امام حسینؑ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ خیموں کو قریب قریب کر کے ایک دوسرے سے باندھ دیں اور ان کے پیچھے خندق کھود کے اس میں آگ روشن کر دیں تاکہ دشمن صرف سامنے سے حملہ آور ہو سکے۔ (طبری)

وہ عاشق صادق تھے وہ تھے مومن کامل
دی تھی انہیں خالق نے تمیز حق و باطل
کیا ہوش تھا کیا فہم تھی کیا عقل تھی کیا دل
کس حسن سے طے کر گئے وہ عشق کی منزل
محراب عبادت خم شمشیر کو سمجھے
جادہ وہ مسافر دم شمشیر کو سمجھے (انیس)

صبح عاشور آئی اور سب سے پہلے امام حسینؑ کی قیادت میں جانثاروں نے سوکھے لبوں سے ذکر خدا کا فریضہ ادا کیا اور ؎

فارغ ہوئے نماز سے جب قبلۂ انام
آئے مصافحے کو جوانانِ تشنہ کام
چومے کسی نے دستِ شہنشاہ خاص و عام
آنکھیں ملیں کسی نے قدم پر باحترام
کیا دل تھے کیا سیاہ رشید و سعید تھی
باہم معانقے تھے کہ مرنے کی عید تھی (انیسؔ)

مورخ مسعودی نے لکھا ہے کہ نماز صبح کے بعد امام حسین علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"اللہ نے آج کے دن مجھے اور تم کو قتل ہونے کی اجازت دی ہے پس تم صبر اور قتال کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔"

پھر دشمن کے لشکر کثیر کی طرف نگاہ ڈالی جو سیلاب کی طرح اُمنڈ رہا تھا۔ اور آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کے ان ہی الفاظ میں دعا مانگی جو الفاظ آنحضرتؐ نے غزوۂ بدر میں دعا کرتے ہوئے فرمائے تھے۔

(ابن اثیر۔ ابن عساکر اور مصباح کفعمی)

پھر ناقے پر سوار ہو کر فوج یزید کو ایک فصیح و بلیغ خطبے کے ذریعے نصیحت کی اللہ و رسولؐ سے ڈرایا اور ان کو بے گناہوں کا خون بہانے سے منع کیا۔ اس کے بعد آپ کے اصحاب میں سے زہیر ابن القین اور بُریر نے بھی تقریریں کیں فرزندِ

رسول کی عظمت اور حقانیت بیان کی اور گمراہوں کو راہ راست دکھانے کی سعی کی پھر امام نے قرآن ہاتھوں پر بلند کر کے دوسرا خطبہ ارشاد فرمایا مگر فوج یزید جنگ یا بیعت پر مُصر رہی۔ یہ دیکھ کے حضرت حُرؑ لشکر مخالف سے نکل کر امام حسینؑ سے آملے معافی مانگی اور پھر فوج یزید کو خطاب کر کے کہا اے قوم اشقیار، جانور تک فرات سے سیراب ہو رہے ہیں مگر تم نے آلِ رسولؐ پر پانی بند کر رکھا ہے۔ اس کا جواب تیروں سے دیا گیا اور پہلا تیر ابن سعد نے چلا کے جنگ کا آغاز کیا اور ساتھ ہی تیروں کا سیلاب آیا۔ جنگ شروع ہوئی اور ایسی جنگ ہوئی کہ چشم فلک نے ایسی جنگ کاہے کو دیکھی ہوگی۔ فوج حسینی کے بھوکے پیاسے کم سن جوان اور ضعیف سب یوں لڑے کہ عالمی شاعری کے مفروضہ رزم نامے ان کے کارناموں کے آگے گرد ہو کے رہ گئے۔ دوسری طرف فوج یزیدی کی شقاوت نے درندوں کو مات کر دیا روزِ عاشور تاریخ نے وہ منظر دیکھے کہ آج تک سننے والوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں ہر سال یہ تذکرے بار بار ہوتے ہیں مگر ان کی اثر انگیزی کچھ اور بڑھتی ہی جاتی ہے۔ کربلا میں باطل کو شکست فاش ہوئی مگر گمراہ کوفیوں اور شامیوں کی خصلت ابھی تک بقول اقبال انداز بدل بدل کے سامنے آتی رہتی ہے جس کا ایک شاہد وہ تازہ حادثہ ہے جو مملکت اسلامیہ پاکستان کی سلامتی پر ایک ضرب لگانے کی سعی کی صورت میں سامنے آیا ہے۔ اُمم سابقہ کے لئے قرآن نے کہا تھا کہ وہ ناحق انبیار کو قتل کرتے تھے۔ مسلمان جب دین کا دامن چھوڑ دیتا ہے تو ایسی پستی میں جاتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔

وہ اپنے بھائیوں کا خون بہاتا اور اپنی ہی جڑ کاٹتا ہے۔

ذرا خود اپنے گریبان میں منہ ڈال کے دیکھئے۔ جب ماہ محرم آتا ہے تو اس یاد کے سلسلہ میں جو سب مسلمانوں کا مشترکہ سرمایہ اور زرین تاریخی ورثہ ہے آپس میں کشیدگی کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔ پاکستان کے معروف خطیب وصحافی اور عالم مولانا کوثر نیازی نے جھنگ کے طلبا کو یوم حسینؑ کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے محرم کے زمانے میں امن کی اپیلوں پر اپنے شدید کرب کا اظہار کیا تھا اور کہا تھا کہ ”کیا یہاں کلمہ گو نہیں بستے؟ کیا یہاں غیر مسلم ہیں؟ کیا یہ معاشرہ حسینؑ کو نہیں پہچانتا۔ گرونانک کرشن اور حضرت عیسیٰ کا دن مناتے ہوئے ایسی اپیلوں کی ضرورت نہیں ہوتی پھر یاد حسینؑ کے سلسلہ میں ایسا کیوں ہوتا ہے؟ کیا ایسا تو نہیں کہ یزیدیت اب بھی موجود ہے اور اس نے روپ بدل لیا ہے۔ میں تو اس معاشرہ کو اس وقت مسلم معاشرہ مانوں گا جب ایسے موقع پر امن کی اپیلوں کی ضرورت محسوس نہ ہو۔“

آئیے ہم روز عاشور عہد کریں کہ ہم اپنے معاشرہ کو مکمل اسلامی معاشرہ بنا کے رہیں گے اور سب مل کے اسلام کی سربلندی کے لئے سعی کریں گے۔

کربلا میں ایک طرف اسلام وایمان کی سربلندی تھی دوسری طرف نام نہاد کلمہ گویوں کی گمراہی اور پستی اپنی انتہا پر پہنچی ہوئی تھی ہم کو ہمیشہ کے لئے یہ تصفیہ کر لینا چاہیئے کہ باعزت زندگی مقصود ہے تو ہم کو ان بلندیوں ہی کی طرف مائل ہونا ہوگا اور اس پستی یا اجتماعی موت سے بچنے کے لئے

مسجدوں اور امام باڑوں کو فقط ان بلند مقاصد کے لئے وقف کرنا ہوگا جو شہادت عظمٰی کا ہدف تھیں۔ امام حسینؑ نے دفاع کیا اور ایسا شاندار دفاع کہ حیدر کرار کی جنگ یاد آ گئی مگر جان دی تو سجدے میں۔ اگر ہم سجدوں سے محبت کرتے ہیں تو حسینؑ سے محبت کرنا بھی لازمی ہے اور اگر حسینؑ سے وابستگی کے دعویدار ہیں تو سجدوں سے وابستگی اور خلوص برقرار رکھنا لازمی ہے۔ فوج یزید کی طرف سے تیروں کی بارش دیکھ کے امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا :-

"خدا تم پر رحمت نازل کرے اٹھو اور موت کو لبیک کہو وہ موت جو برحق ہے۔ یہ تیر اس قوم کے پیامبر ہیں جو تمہارے لئے ان کا پیام لائے ہیں"

انصار حسینی نے اس آواز پر لبیک کہتے ہوئے امام حسینؑ کی قیادت میں صبر و استقلال پامردی اور جرات اور اشتیاق موت کا وہ مظاہرہ کیا کہ خود راہی ملک عدم ہوئے مگر اسلام اور اس کے زرین اصولوں کو دائمی حیات عطا کر گئے۔ اب کرسئی اقتدار پر جو چاہے قابض ہو جائے مگر نہ وہ حلال محمدؐ کو حرام کر سکتا ہے نہ حرام محمدؐ کو حلال قرار دے سکتا ہے۔ نافرمانی ہو سکتی ہے حکم نہیں بدل سکتا، مسلمان جو چاہیں عمل کریں نیکوکار ہوں یا بدکردار مگر اسلام کو کوئی مسخ نہیں کر سکتا۔ ایمان کے طلب گار کی راہ میں اشتباہ کی گرد حائل نہیں ہو سکتی۔ فتووں سے امت گمراہ نہیں ہو سکتی۔ اسلام کی ظاہری نقاب کی آڑ میں عصبیت اور ضلالت

روپوش نہیں ہو سکتی اب مسلمان میں احتساب کی ہمت ہے، اب مومن میں تنہا احتجاج کی جرارت ہے تفسیروں میں تحریف ہو سکتی ہے۔ قرآن میں نہیں تاریخ غلط لکھی جا سکتی ہے مگر شعور حقائق شناسی زندہ ہے۔ اور یہ سب کچھ حسینؑ کی قربانی کا فیض ہے جو اشک و آہ بن کے دلوں میں سما گئے ہیں وہ ضلالت کار کا ہاتھ نہیں پکڑتے مگر دلوں میں چٹکیاں لے کر اس کو بے نقاب کر دیتے ہیں اسی لئے گمراہ کرنے والے حسینؑ سے بہت ڈرتے ہیں جن کا تذکرہ حق کا تذکرہ ہے جو آنسوؤں اور آہوں کی لہروں پر مسلسل اپنا پیام نشر کر رہے ہیں اور یہ نشر گاہ حسینی وقت اور مقام اور نسل و سرزمین کی حدود کو نہیں پہچانتی ہے

حسینؑ دعوت اسلام ہر بشر کے لئے

گنتی کے انصار حسینی نے انفرادی مقابلہ کے علاوہ دو دو تین تین اور چار چار کر کے لڑنا شروع کیا تا آنکہ نمازِ ظہر کا وقت آگیا۔ ابو ثمامہ نے آخری نماز حسینؑ کے ساتھ ادا کرنے کی خواہش ظاہر کی امام نے فرمایا تم نے نماز کو یاد رکھا خدا تمہیں نماز گذاروں میں شمار کرے۔ نماز کی اجازت لشکر یزید نے نہ دی۔ امام حسین علیہ السلام نے "نماز خوف" ادا کی جو لشکر کفار کے مقابلے میں آنحضرت کی سنت ہے۔ زہیر ابن القین اور سعید بن عبداللہ الحنفی آگے کھڑے ہو گئے اور نمازیوں پر آنے والے تیروں کو اپنے سینوں پر روکنے لگے۔ ادھر نماز تمام ہوئی اور ادھر سعید بن عبداللہ تیروں سے چھلنی ہو کے زمین پر گرے اور آواز دی اے فرزندِ رسول کیا میں نے حقِ وفا ادا کیا؟ امام نے یہ

وفاداری دیکھ کے روتے ہوئے کہا بے شک! خدا تم کو جزائے خیر دے تم مجھ سے پہلے جنت میں پہنچو! سعید کے جسم پر نیزوں اور تلواروں کے زخم کے علاوہ بے شمار تیر لگے تھے۔ ظہر اور عصر کے درمیان فوج حسینی کا خاتمہ ہو گیا حسینؑ کے لختِ جگر اور قوتِ بازو اپنے خون میں نہا کے چل بسے اب حسین تنہا تھے زخمی تھے۔ پیاس سے نڈھال تھے غم سے کمر ٹوٹی تھی مگر نمازِ عصر سے قبل امام نے ایک ایسا حملہ کیا جو عالم میں یادگار رہے گا اور پھر وعدۂ طفلی وفا کرنے کا وقت آ گیا تو تلوار روک لی متعشق مرحوم نے اس محل پر کیا بیت کہی ہے جس کا پس منظر یہ ہے کہ اب ذوالفقار حسین کے بعد امام مہدی آخر الزماں جو غیبت سے رجعت فرمائیں گے اور قیام عدل کے لئے جہاد کریں گے وہی استعمال کریں گے۔ اس پس منظر میں امام حسینؑ اپنی تلوار سے مخاطب ہو کے کہتے ہیں ؎

رجعت میں جب جہاد سے دل شاد کیجیو
زور ان شکستہ بازوؤں کا یاد کیجیو!

ادھر امام حسینؑ کا تلوار روکنا تھا کہ ہر طرف سے آپ پر وار ہونے لگے اور جگر گوشۂ رسولؐ نے اسی عالم میں زمین پر نزول فرمایا اور سجدۂ آخر میں سر رکھ دیا اور اشقیاء نے سجدے کے عالم میں پسِ گردن سے وہ گلا کاٹا جو بوسہ گاہِ رسولؐ تھا۔ یہ وہ وقت تھا کہ جبریل امین جنہوں نے حسینؑ کو جھولا جھُلایا تھا۔ وہ بھی شدتِ غم سے سکتے کے عالم میں تھے غالب کہتے ہیں ؎

وقت است کہ جبریل زبے مائگی درد
غم راز دلِ فاطمہ خواہد بگدائی

یہ وہ وقت تھا کہ جبریل کا سرمایۂ درد ختم ہو چکا تھا اور انہوں نے حسینؑ کی ماں جناب فاطمہ زہرا کے دل سے غم کی بھیک مانگی۔

اس کے بعد خیموں میں آگ لگادی گئی آلِ رسول اور خواتین کے سروں سے چادریں چھین لی گئیں چھوٹی بچیوں کے کان سے بندے نوچ لئے گئے اور اشقیاء حسینؑ کے بیمار فرزند امام زین العابدین کے نیچے بچھا ہوا بستر بھی کھینچ کے لوٹ لے گئے۔ ایک شخص ایک بچی کی پازیب اتارتا جاتا تھا اور روتا جاتا تھا حمید ابن مسلم یزید کے فوجی خبر نگار کے پوچھنے پر اس نے کہا کہ اگر میں نہ اتاروں گا تو کوئی اور اتارے گا۔! پھر شام غریباں آئی ؎

سلام خاک نشینوں پہ سوگواروں کا!

اور علی کی بیٹی حضرت زینب نے حسینؑ کے مقصد کی قیادت سنبھال لی اور اسی عزم و ہمت سے لٹے ہوئے قافلوں اور اسیروں کی قیادت کی جو حسینؑ کا انداز تھا۔ اور دربار کوفہ و شام تک عزم حسینی کے نمونے پہنچے اور اسی جرأت سے کلمۂ حق کہہ کے "جہاد اکبر" کی شان دکھائی جو حسینی حرارت تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ؎

نامِ یزید داخلِ دشنام ہو گیا (جوشؔ)

خلاصہ یہ کہ ؎ غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہیں اسمٰعیلؑ (اقبال)